شوال کے چھ روزے

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((من صام رمضان ثم أتبعه ست من شوال كان كصيام الدهر .)) ''جو رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھ لے تو گویا اس نے مکمل سال کے روزے رکھے۔'' کیونکہ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ یعنی جو ایک نیکی کرتا ہے اسے اس جیسی دس عطا کی جاتی ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((من صام رمضان فشهر بعشرة أشهر .)) یعنی جس نے رمضان کے روزے رکھے اسے اس ایک مہینے کے بدلے دس مہینوں کے روزوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ پھر شوال کے چھ روزے جن کا ثواب ساٹھ روزوں کے برابر ہے تو اس طرح ان چھ روزوں کو ملانے سے مکمل سال کے روزوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مسلمانوں کے حیرت انگیز عروج وزوال کا حقیقی سبب

(قاری نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ)

تاریخ کے نقاد اور محقق علماء اور مفکرین و مصلحینِ امت مسلمانوں کے حیرت انگیز عروج اور حیرت انگیز زوال پر شدید حیرت کا شکار ہیں کہ یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے۔ وہ اس کے اسباب تلاش کرتے ہوئے کتبِ تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ اس کی علت معلوم کرنے کے لیے سوچتے ہیں اور سوچتے ہی چلے جاتے ہیں۔ کسی کو کوئی علت معلوم ہوتی ہے اور کسی کو کوئی سبب ہاتھ لگتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک اس کا صرف اور صرف ایک ہی سبب ہے۔ اور وہ ہے دینِ حقیقی اور دینِ مروّج کے درمیان فرق۔ زمانہ عروج کے مسلمان دینِ حقیقی کے علم بردار تھے اور دورِ تنزل کے مسلمان دینِ مروج کے حامل۔ وہ دین کو اپنائے ہوئے تھے اور یہ دین کا لبادہ اوڑھے ہوئے۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی — کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا (اقبال)

دینِ مروج چند حرکات وسکنات اور الفاظ کا نام ہے، اس سے آگے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ یہ دین بہانہ تراش وحیلہ ساز ہوتا ہے۔ مشکل حالات میں ثابت قدم رہنے کے بجائے ان سے پہلوتہی کرتے ہوئے خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ قرآنِ مجید بیان کرتا ہے کہ کچھ مسلمان ایسے بھی ہیں کہ جب انھیں میدانِ جہاد کی طرف چلنے کا حکم ملتا ہے تو کہتے ہیں: اگر ہم جہاد پر روانہ ہوگئے تو ہمارے گھر اور ہمارے اہل وعیال غیر محفوظ ہو جائیں گے کیونکہ ہمارے بعد ان کا خیال رکھنے والا، نگرانی اور حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس قسم کے مسلمان، جب جہاد اور دین کے لیے جدوجہد کا مرحلہ آتا ہے تو راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے کئی قسم کے حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ ؎ کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است۔ ﴿يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا﴾ [الأحزاب: ۱۳]

دینِ حقیقی قلب وقوت کا دین ہے، روشنی وحرارت کا دین ہے۔ اس کا حامل انسان جہاد وشہادت کا مشتاق ہوتا ہے۔ اس کے وسائل نہ پا کر آنسو بہاتا ہے۔ مشکل ونازک حالات میں ثابت قدم رہتا ہے۔ دشمن پر پلٹنے جھپٹنے کو لہو گرم رکھنے کا ایک بہانہ سمجھتا ہے۔ ؎ کارِ مرداں روشنی وگرمی است۔ ﴿قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ [التوبة: ۹۲] دینِ حقیقی ''اکسیر'' ہے، جس سے مردہ انسان زندہ ہوجاتا ہے، کمزور قوی ہو جاتا ہے۔ یہ تانبے، چاندی اور سکے کو سونا بنا دیتا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس سے ایسے ایسے عجیب وغریب کارنامے اور خارقِ عادت قسم کے امور معرضِ وجود میں آتے ہیں جن کے سامنے عقل، سائنس، علم، فلسفہ، تاریخ سب حیرت زدہ ''محو تماشائے لبِ بام'' رہ جاتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ وعلت کس طرح بیان کی جائے، ان کی تشریح وتفسیر کس طرح کی جائے۔

رنج وغم، فکر وپریشانی کے بچھو، بدنظمی ولاقانونیت، انتشار وخلفشار، حیوانیت ودرندگی کے سانپ جب حیات وکائنات کو ڈس ڈس کر زہریلا بنا دیتے ہیں اور اس کے لبوں پر المدد! المدد! کی فریاد ہوتی ہے اور دنیا بھر کی عقل وخرد کی طرف سے اسے مایوس کن قسم کا جواب ملتا ہے تو ایسے نازک حالات میں دینِ حقیقی ہی اس کی فریاد رسی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آؤ! میرے پاس تمھارا علاج موجود ہے کیونکہ میں ہی عربی ہوں۔ میں ہی وہ ''تریاق'' ہوں جو تمھاری زہرناکیوں کو نیست ونابود کرسکتا ہے اور ان تمام مہلک زہریلے اثرات کا خاتمہ کرسکتا ہے جو ملحدانہ فلسفہ ہائے حیات اور طاغوتی نظامہائے زندگی پیدا کرتے ہیں۔

دلِ گیتی انا المسموم انا المسموم فریادش — خرد گوید کہ ماعندی بتریاق ولا راقی (اقبالؔ)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

12 شوال المکرم 1433ھ جمعة المبارک 31 اگست تا 06 ستمبر 2012ء

شمارہ 34 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال
		60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

كلمة حق أريد بها الباطل

حافظ احمد شاکر

عالمی طاغوت وہ جس کے سرغنہ عموماً انسانیت پر غلبے کے جنون میں مبتلا یہود یا ان کے کارندے جو کسی بھی مذہب کے ہو سکتے ہیں، فساد فی الارض یعنی اللہ کی زمین میں فساد کی خواہش رکھتے اور کوشش کرتے رہتے ہیں، اور اس کام (فساد) کے لیے بہت خوش کن الفاظ کو استعمال کرتے اور ان کو رواج دیتے ہیں۔

ایک عرصہ سے وہ لفظ ''وحدت'' کا استعمال اور تکرار مختلف سٹیجوں سے اور حسب منشا مختلف معانی میں کر رہے ہیں جو دراصل دجل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک حلقے میں یہ وحدت ادیان بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اس وقت دین صرف ایک ہے اور وہ ہے دین اسلام۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ ﴿ان الدين عند الاسلام﴾ یعنی بارگاہِ الٰہی میں اس وقت مقبول صرف دین اسلام ہے۔ وحدت ادیان عموماً ظاہری طور پر ہمارے فہم کے مطابق ''تمام دین ایک ہیں'' کے معنی میں بولا جاتا ہے جو امریکا کے اس نیو ورلڈ آرڈر کا حصہ ہے جس میں امریکی تھنک ٹینک اسلام اور صرف اسلام کو برحق سمجھنے والے مسلمانوں کے ذہن میں یہ دراڑ ڈالنا چاہتا ہے کہ اسلام، عیسائیت، یہودیت وغیرہ سب دین ایک ہی ہیں۔ حالانکہ اس بات سے نبی ﷺ کی بعثت ہی...... معاذ اللہ...... بے مقصد ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے نجران سے آمدہ عیسائیوں کو آوازہ یا نعرۂ وحدت ''صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے کو فرمایا تھا۔'' لفظ وحدت چونکہ نہایت جاذب اور بہ ظاہر کلمہ حق سمجھا جاتا ہے لیکن جملہ انسان عموماً اور مسلمان خصوصاً اپنی نادانی و جہالت کے باعث یہ نہیں جان پاتے کہ یہ کلمہ حق وہی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''كلمة حق أريد بها الباطل'' یعنی ایسا کلمہ حق جس سے مراد باطل ہوتا ہے۔ اسی طرح کی ایک خوب صورت اصطلاح بین المذاہب ہم آہنگی کی تبلیغ و ترویج بھی خوب کی جاتی ہے۔ حالانکہ اس کے داعیوں کی ایک مجلس میں عرض کیا گیا تھا کہ مسالک میں تو ہم آہنگی ممکن ہو سکتی ہے لیکن مذاہب میں ہم آہنگی؟ چہ معنی دارد۔ عیسائیت ایک مذہب ہے، یہودیت ایک مذہب ہے، ہندوازم اور سکھ مت بھی مذاہب ہیں اور اسلام قیامت تک کے لیے ایک ایسا آخری اور سچا مذہب ہے جس کے بعد نہ کوئی دین حق ہے اور نہ ہی کوئی مذہب قابل قبول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرمادیا ہے کہ و من يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه یعنی جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو لے کر بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگا اللہ سبحانہ وتعالیٰ وہ دین ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ اب بتایئے اس وضاحت کے بعد وحدت ادیان کی یا بین المذاہب ہم آہنگی کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے!

وحدت المسلمین کے نام سے ایک فقہی مکتبہ فکر عرصہ سے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی دعوت دے رہا ہے۔ اتفاق واتحاد سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے لیکن اتحاد کا بنیادی اصول یہ ہوتا ہے کہ مختلف فیہ امور میں اتفاق و ہم آہنگی کی کوشش کی جائے کیونکہ متفق علیہ امور تو پہلے ہی اتفاق واتحاد کے غماز ہوتے ہیں۔ وحدت المسلمین کے یہ داعی اپنی حکمت عملی یوں ترتیب دیتے ہیں کہ مختلف فیہ امور تو عموماً جوں کے توں رہتے ہیں اور دین سے ناواقف طبقات کو مفادات میں لبھا کر اور ترغیبات میں الجھا کر اپنے نہاں وعیاں مقاصد کی تائید حاصل کرنے میں کوشاں رہتے بلکہ عموماً کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اب ایک طبقہ کئی سال سے وحدت امت کے حسین وجمیل نام سے شعائر اللہ کی اہمیت گھٹانے میں مشغول ہے، جس کے نتیجے میں نبی ﷺ کے مقرر فرمودہ ایام واوقاتِ عبادات کا اہتمام واحترام باقی نہیں رہے گا۔ عبادات میں چونکہ چاند کی رویت ہی معتبر ہوتی ہے اور پوری دینی عبادات......

نماز، روزہ، حج، زکاۃ...... چاند ہی سے منسلک ہیں اس لیے شریعت میں قمری تقویم...... کیلنڈر...... کا ہی اعتبار رکھا جاتا ہے۔

تقریباً آج سے تیس چالیس سال قبل چاند، خصوصاً رمضان وعید کا، دیکھنے کا گھروں، مسجدوں اور میدانوں میں جنوں کی حد تک اہتمام کیا جاتا تھا اب ذرائع ابلاغ ...... جسے میڈیا کہا جاتا ہے...... سے وہ جذبہ ماند پڑتا پڑتا معدوم ہی ہو چکا ہے۔ اب عام مسلمان آسمان پر چاند دیکھنے کی بجائے ٹی، وی سکرینوں پر بیٹھ کر چاند کی اطلاع کے منتظر رہتے اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے اس جذبے کو سامنے رکھتے ہوئے مادر پدر آزاد اس طبقے نے اپنی تخریبی فکر کی بنیاد چاند ہی کو بایں عنوان بنایا ہے کہ مسلمان پوری دنیا میں ایک ہی دن روزہ رکھیں اور ایک ہی دن عید منائیں۔ عالمی طاغوت اپنے اس دوررس نتائج کے حامل منصوبے کو وحدت کا نام دے کر عمل گریز اور انارکی مزاج کی حامل نسل کے لیے زیغ وضلال کا نیا جال بچھا رہا ہے جب کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ’’چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ ہی افطار...... عید...... کرلو۔ اب یہ فیصلہ ہمارے کرنے کا ہے کہ کیا ہم نے نبی ﷺ کے ارشاد کی اطاعت کرنی ہے یا عالمی سیاست کاروں کے بچھائے ہوئے وحدت امت کے جال میں پھنس کر الجھ جانا ہے۔

عالمی صلاح کاروں نے جب سے میڈیا کے واسطے سے دنیا کو گاؤں...... Global Village ...... کی حیثیت دی ہے تب سے انسانیت بہت سے فتنوں میں مبتلا ہوگئی ہے جن میں ایک ہی روز عید منانے کا فتنہ بھی ہے۔ صدر ایوب خاں مرحوم کے دور میں جب جمعہ کے روز ’’عید بھاری‘‘ ہونے کی شدنی چھوڑی گئی تھی، ایک ہی دن عید کرنے کی سوچ ابھری تھی۔ تب سے اب تک یہ آزمائش قوم پر ہر سال آجاتی ہے۔ حالانکہ شریعت کی تعلیمات میں ہمیں کہیں بھی ایک ہی دن عید منانے کا حکم تو کجا خواہش کا اظہار بھی کہیں نہیں ملا۔ بھٹو مرحوم کے دور میں مولانا کوثر نیازی مرحوم نے جو رؤیت ہلال کمیٹی تشکیل دی تھی اس میں ہر مسلک کے اصحابِ علم کو ان کی علمی وجاہت کے اعتبار سے چنا گیا تھا۔ اس کمیٹی کی تشکیل کی ابتدا ہی میں ہماری یادداشت کے مطابق علمائے کرام، مفتیانِ عظام اور ماہرین فلکیات کے مشوروں سے بعض بنیادی اصول اور قاعدے طے کر لیے تھے ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے جتنا عرصہ فیصلہ کیا جاتا رہا اس میں صوبوں کی شہادتوں اور شاہدین...... گواہوں...... پر شریعت کے اصولوں کے مطابق جرح کرکے اور علاقے سے گواہوں کے بارے میں شہادتیں جمع کرنے کا اہتمام بھی کیا جاتا اور حسب ضرورت ضلعی، صوبائی ہلال کمیٹیاں محنت وتحقیق کرکے مرکزی کمیٹی سے رابطے کیے جاتے پھر مرکزی کمیٹیاں رات دیر گئے...... ہماری یادداشت کے مطابق رات گیارہ بجے کے بعد...... اعلان کرتیں۔ ٹی، وی چینلوں کی مقبولیت کی دوڑ، قرب شاہی کی خواہش اور زیادہ مال کمانے کی خواہش سے میڈیا کی صداقت وثقاہت انتہائی درجہ کی مجروح ہو چکی ہے۔ امسال رمضان سے اور اس طرح عید سے پہلے ٹی، وی چینلوں اور اخبارات کے ذریعہ ماہر فلکیات نے چاند کے مدار کا حساب لگا کر شعبان ۲۹ اور رمضان المبارک کے ۳۰ دن ہونے کا اعلان کر دیا تھا جب کہ شریعت میں علم فلکیات کا کہیں ذکر ہی نہیں، شریعت میں صرف رؤیت کا ذکر ہے۔ حکومت نے اگر علم فلکیات کو بنیاد بنا کر ہی اعلان کرنا ہے تو پھر رؤیت ہلال کمیٹیوں کی کیا ضرورت؟ کمیٹیوں کے علماء اراکین کو اپنے مقام اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کمیٹیوں سے فوراً مستعفی ہو جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہوتا ہے اور اگر حکومت کے نزدیک رؤیت ہلال کمیٹیوں کے فیصلوں ہی کی وقعت ہے تو پھر علماء فلکیات سے بہ وقت اجلاس مشورہ ضرور کریں قبل از وقت کسی پیشین گوئی کی حکومت کی طرف سے سخت ممانعت ہونی چاہیے۔ دوسرے صوبوں کے بھائیوں کی شہادتوں کو علم فلکیات پر مسترد کر دینا کسی بھی صورت مناسب نہیں۔ اسی طرح ان صوبوں کے بھائیوں کو شاہدین کی تحقیق وتفتیش بایں جذبہ کرنی چاہیے کہ صائمین اور مفطرین کی کوتاہی پر عنداللہ مواخذہ ان کا ہی ہوگا۔

باقی رہا مسئلہ مسلمانوں کے ایک ہی دن عید کرنے کا یا مملکہ عربیہ سعودیہ کے ساتھ ایک دن عید کرنے کا؟ اگر اس پر فتویٰ کی ضرورت ہے تو پھر نمازوں کے بارے میں بھی سوال لینا چاہیے کہ کیا وہ بھی پوری دنیا میں مسلمان ایک ہی وقت میں پڑھ سکتے ہیں یا سعودیہ کے نمازوں کے اوقات پاکستان میں رواج دیا جانا شریعت کی رو سے کیسا رہے گا؟

درس قرآن

قسط نمبر ۳۷

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ٥ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ٥ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ٥ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ٥﴾ [یٰس: ۴۱-۴۴]

''اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ بے شک ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے ان کے لیے اس جیسی کئی اور چیزیں بنائیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انھیں غرق کر دیں، پھر نہ کوئی ان کی فریاد سننے والا ہو اور نہ وہ بچائے جائیں۔ مگر ہماری طرف سے رحمت اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانے کی وجہ سے۔''

پہلی آیات میں زمین و آسمان، شمس و قمر اور ان کے حوالے سے رات اور دن میں ہونے والی اللہ کی نشانیوں اور قدرت کی علامات کو بیان کرنے کے بعد اب سمندروں میں پائی جانے والی نشانی کا ذکر ہے۔ اس سے پہلی آیت میں سورج اور چاند کا اپنے مدار میں تیرنے کا ذکر ہے تو اس آیت میں سمندروں میں کشتیوں کے تیرنے سے اللہ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ ان کے لیے ہماری قدرتِ کاملہ پر مذکورہ روشن نشانیوں کے علاوہ یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو ایک کشتی میں سوار کیا۔ ''ذرية'' کے اصل معنی چھوٹی اولاد کے ہیں مگر عرف میں اس کا اطلاق ساری اولاد پر ہوتا ہے مگر علامہ واحدی اور ابو عثمان نے کہا ہے کہ اس کا اطلاق والدین اور اولاد دونوں پر ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

علامہ ابن عطیہ نے اگرچہ اسے تخلیط کہا ہے اور لغت کے منافی قرار دیا ہے۔ (البحر المحیط) مگر یہ درست نہیں، علامہ زبیدی نے بھی اپنے شیخ سے یہی نقل کیا ہے کہ ''ذرية'' کا اطلاق اولاد اور آباء پر ہوتا ہے اور یہ حروف اضداد میں سے ہے۔ علامہ ابو عثمان کی طرح انھوں نے بھی اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

(تاج العروس: ۳/ ۲۲۴، مادہ: ''ذ ر'')

یہی قول علامہ قرطبی اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ضحاک، قتادہ اور ابن زید نے ﴿الْفُلْك﴾ یعنی کشتی سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی مراد لی ہے۔ اشارہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اللہ کی قدرت کی عظیم نشانی ہے جو نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں سے، ان کے ضروری سامان سے اور ہر قسم کے نر اور مادہ جانوروں سے بھری ہوئی تھی، جیسے فرمایا:

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ [ھود: ۴۰]

''ہم نے کہا: اس میں ہر قسم میں سے نر و مادہ دونوں کو اور اپنے گھر والوں کو سوار کر لے، سوائے اس کے جس پر پہلے بات ہو چکی، اور ان کو بھی (سوار کر لے) جو ایمان لے آئے اور اس کے ہمراہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔''

یہ سفینۂ نوح علیہ السلام پہاڑوں جیسی بلند و بالا موجوں کے دوش پر چلا جا رہا تھا۔ اس پر ہم نے ان کے آباء کو بلکہ نسل انسانی کو سوار کیا کیونکہ فی الحقیقت قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان اس پر سوار تھے، وہ اس طرح کہ طوفانِ نوح علیہ السلام سے صرف وہی محفوظ رہے تھے جو کشتی پر سوار تھے، پھر انھی کی اولاد سے آگے نسلِ انسانی چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو نسل انسانی کا آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ٥﴾ [الصافات: ۷۷]

''اور ہم نے اس کی اولاد ہی کو باقی رہنے والا بنا دیا۔''

اسی آیت کے بارے میں ایک توجیہ یہ بھی ہے ﴿ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ میں ''ھم''، ضمیر سے مراد مخاطبین مکہ نہیں بلکہ انسان ہیں اور ''ذریۃ'' سے نسل انسانی مراد ہے، یعنی انسانوں کے لیے ہماری قدرت کاملہ کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کے لیے بحری سفر کا انتظام کر رکھا ہے۔ بھاری بھرکم کشتیاں جو سامان اور سواریوں سے لدی بھری ہوتی ہیں، وہ سمندروں کی تند و تیز موجوں اور ہول ناک گردابوں کے باوجود ہماری رحمت سے کنارے لگتی ہیں۔

﴿فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ﴾ بھری ہوئی کشتی میں۔ ﴿اَلْفُلْكِ﴾ ف کے پیش اور ل کے سکون کے ساتھ کشتی کے معنی میں ہے، یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر ف اور ل پر زبر ہو تو اس کا معنی سیاروں کا مدار ہے جیسا کہ آیت نمبر ۴۰ میں بیان ہوا ہے۔ ﴿اَلْمَشْحُوْنِ﴾ یہ ''الشحن'' سے ہے جس کا معنی کشتی یا جہاز میں سامان لادنا اور بھرنا ہے۔ اسی سے ''الشحناء'' ہے جس کا معنی ہے کینہ وعداوت جس سے نفس بھرا ہوا ہو۔ ''عدو شاحن'' اس دشمن کو کہتے ہیں جو دشمنی سے بھرا ہوا ہو۔ یہاں ﴿اَلْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ سے مراد سفینۂ نوح علیہ السلام ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ یا اس سے مراد وہ انسان ہیں جو کشتیوں میں سفر کرتے ہیں۔



درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

١٣٥٧ . عن سليمان بن صرد قال: كنت جالسا مع النبي ﷺ ورجلان يستبان، فأحدهما أحمر وجهه وانتفخت أوداجه، فقال النبي ﷺ: ((إني لأعلم كلمة لو قالها لذهب عنه ما يجد)) فقالوا له: إن النبي ﷺ قال: ((تعوذ بالله من الشيطان الرجيم)) قال: وهل بي من جنون؟

"حضرت سلیمان بن صرد سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے، ان میں سے ایک کا چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہوگیا اور گلے کی رگیں پھول گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ آدمی وہ کلمے کہے تو یہ غصہ اس کا جاتا رہے۔" لوگوں نے اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم: ((أعوذ بالله من الشيطان الرجيم)) کہو(تو تمھارا غصہ جاتا رہے گا) اس نے کہا: کیا میں دیوانہ ہوں!"

باب: يسكت إذا غضب

غصے کے وقت چپ ہوجانا چاہیے

١٣٥٨ . عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: ((علموا ويسروا، علموا ويسروا)) ثلاث مرات: ((وإذا غضبت فاسكت)) مرتين.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: "لوگوں کو علم سکھاؤ اور آسانی کرو۔" اور دو مرتبہ فرمایا: "جب تمھیں غصہ آئے تو چپ ہوجایا کرو۔"

باب: أحبب حبيبك هونًا ما

اپنے دوستوں سے نرم رویہ اختیار کر

١٣٥٩ . عن عبيد الكندي قال: سمعت عليا يقول لابن الكوّاء: هل تدري ما قال الأول؟ أحبب حبيبك هونا ما، عسى أن يكون بغيضك يوما ما، وأبغض بغيضك هونًا ما، عسى أن يكون حبيبك يوما ما.

"عبید کندی بیان کرتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ ابن کواء سے کہہ رہے تھے: کیا تجھے معلوم ہے کہ پہلے دور کے لوگوں نے کیا کہا (ان لوگوں کا یہ مقولہ ہے:) جب تُو کسی سے محبت کرے تو میانہ روی اختیار کر، کہیں وہ کسی دن تیرا دشمن نہ ہوجائے اور جس سے تجھے دشمنی ہو اور اس سے بہت زیادہ دشمنی نہ کر، ہوسکتا ہے کسی دن اس سے تیری دوستی ہوجائے۔"

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ دوستی اور دشمنی میں ایک حد اعتدال چاہیے۔ دوستی اور دشمنی میں مبالغہ انجام کار پر پریشانی وپشیمانی لاتا ہے۔ دوست کبھی دشمن ہوجاتا ہے اور دشمن کبھی دوست بن جاتا ہے۔ پس اگر حب وبغض میں اعتدال رہے گا تو انجام میں نقصان

وندامت نہیں اٹھانا پڑے گی، خواہ دوست دشمن ہوجائے یا دشمن دوست بن جائے۔

باب : لا يكن بغضك تلفا
کبھی تیری دشمنی ہلاک کرنے والی نہ ہو

١٣٦٠ . عن عمر بن الخطاب قال: لا يكن حبك كلفا ولا بغضك تلفا ، فقلت: كيف ذاك؟ قال: إذا أحببت كلفت كلف الصبي وإذا أبغضت أحببت لصاحبك التلف .

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کسی سے دیوانگی کی حد تک محبت نہ کرو اور نہ ہی دشمنی کے وقت کسی کی ہلاکت چاہو۔ راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: جب تُو کسی سے محبت کرے تو بچوں جیسی محبت نہ کر اور جب تُو کسی کو دشمن رکھے گا تو تُو اس کی ہلاکت کی خواہش کرے گا۔“

فائدہ: یہ دونوں صورتیں اچھی نہیں ہیں۔ کوئی بھی کسی کو نہ اتنا چاہے کہ وہ اس سے تکلیف پائے اور نہ کسی کو اتنا دشمن رکھے کہ وہ اس کا مرنا چاہے۔

تمت بعون الله وفضله. ١٦ صفر المظفر ١٤٣٢ھ ......٢١/جنوری ٢٠١١ء بروز جمعۃ المبارک

محمد اشرف سعید

مین بازار مسلم آباد، شالا مار ٹاؤن، لاہور

(۲۵)

جرعات

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

اس اداریے میں مولانا رحمہ اللہ نے جس مرض کی نشان دہی، یعنی رسوخ فی العلم کا نہ ہونا، فرمائی ہے وہ نصف صدی میں اس سے کہیں زیادہ بڑھ چکا ہے جو نصف صدی قبل تھا۔ مولانا رحمہ اللہ نے حفظ کے جس ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کو اگر ہم امام وکیع رحمہ اللہ کی امام شافعی رحمہ اللہ کو کی گئی نصیحت کے آئینے میں دیکھیں تو یار لوگوں نے سوءِ حفظ کے ڈھیروں سامان اور حیلوں سے امت مسلمہ کو آلودہ کردیا ہے جس کا مداوا اب ہما شما کے بس میں نہیں۔ دورِ حاضر میں حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ نے راقم سے فرمایا تھا کہ میں نے مولانا رحمہ اللہ کی ہدایت اور مشورے پر بعض متون حفظ کیے تھے جن سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ بہ ہر صورت اس تحریر سے مولانا کا یہ جذبہ عیاں ہے کہ مولانا آئندہ نسل میں رسوخ فی العلم، حفظ وضبط اور اتقان کی خواہش کس قدر رکھتے تھے۔ شوال المکرّم یعنی دینی مدارس کے تعلیمی سال کی ابتدا ہو رہی ہے، اگر اصحابِ مدارس اس نکتے کی طرف توجہ فرمائیں تو ان شاء اللہ اس کے نتائج بہت مفید، مثبت اور دیرپا ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی ماہنامہ رحیق کے آخری شمارے کا اداریہ بھی شائع کیا جا رہا ہے جس کے ساتھ اس علمی رسالے کے بند ہونے کی جاں گسل اطلاع ہے۔ گویا ماہنامہ رحیق ناقدریِ علم کا شکار ہو کر غمِ زمانہ کی گود میں ہمیشہ کے لیے سو گیا۔

اسی کو ناقدریِ عالم کا صلہ کہتے ہیں ۔۔۔ مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

(احمد شاکر)

(۲۷)

عالم اسلام کے بالعموم اور پاک وہند کے حالات بالخصوص اس امر کے شدید متقاضی ہیں کہ علومِ شرعیہ کی عربی تعلیم وتدریس اور اشاعت کے نظام کو مضبوط کیا جائے اور مروجہ نظامِ تعلیم میں جہاں جہاں جھول پیدا ہوگئے ہیں ان کے اسباب کی تحقیق وتشخیص کے بعد متحدہ طور پر ان کو دُور کرنے کی کوشش کی جائے۔

اولاً: اس لیے کہ پاکستان میں آئندہ ایک ایسی صاحبِ علم جماعت کی ضرورت ہے جو علمی وعملی طور پر دینی حمیت وصلابت کے ساتھ ساتھ فکری اعتبار سے اصحابِ بصیرت ہوں تاکہ پیش آمدہ جدید مسائل کو قرآن وحدیث کے نصوص سے حل کرنے کی خوب استعداد رکھتے ہوں۔

ثانیاً: اس لیے کہ قرآن وحدیث اور بعض دینی کتب کے تراجم، جو اکثر صرف تجارتی ہیں اور غیر محتاط بھی، کی اشاعت سے کج فہم طبقہ جو غلط فائدہ اٹھا رہا ہے اور ترجموں کے بل بوتے پر شبہات کے فتنے ابھار کر امت میں فکری وعملی انتشار پھیلا رہا ہے، اس کے مغالطوں کا پردہ چاک کیا جائے کیونکہ بدقسمتی سے یہی خام قسم کے لوگ پراپیگنڈے کے زور سے پیش پیش ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ مقصد صرف علوم شرعیہ کی براہِ راست عربی کی تعلیم اور مضبوط تعلیم ہی کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے۔

یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جس سے صرف علمائے کرام اور علومِ شرعیہ کے طلبائے عظام کو عہدہ برا ہونا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات پر ہم نے رحیق کی گزشتہ اشاعت میں گفتگو کی تھی۔ آج کی صحبت میں ایک دوسرے امر کی طرف دردِ دل رکھنے والے اور حساس اصحابِ فکر کو توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کے طریقۂ تعلیم میں قوتِ حافظہ کی تشحیذ اور علومِ شرعیہ کے حفظ وضبط کو

بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے جس کی طرف تکوینی اشارہ آخری وحی کے نزول کے لیے خطۂ عرب کا انتخاب ہے، جس کی قوتِ حافظہ ضرب المثل کی حیثیت حاصل کرچکی ہے۔ اور تشریعی اشارہ آیت کریمہ ﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ [العنكبوت: ٤٩] اوراحادیث مبارکہ، مثلاً: ((نضر الله عبدا سمع مقالتي فحفظها ووعاها وأداها)) وفي لفظ: ((فبلغه كما سمعه .)) (مشكاة) میں فرمایا گیا تھا اور جس کے اہتمام بلیغ کی مثال میں حافظ الحدیث علی الاطلاق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ کافی ہے جس میں ان کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ازدیاد حافظہ کا اعجازی انتظام فرما دیا جس کا ظہور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حسب منشا ہوا:

"عن أبي هريرة قال: قلت: يا رسول الله! إني أسمع منك حديثا كثيراً أنساه، قال: ((ابسط رداءك .)) فبسطته فعرف بيديه ثم قال: ((ضم)) فضمته فما نسيت شيئا بعد ."

(صحيح بخاري)

غور کیا جائے تو اسلامی علوم کا وسیع ذخیرہ سمٹ سمٹا کر چار جوہری عناصر کے گرد ہی گھومتا نظر آئے گا: (۱) قرآن، (۲) حدیث، (۳) (اور بہ واسطہ) لغت عربیہ، (۴) (ان دونوں سے مستنبط مسائل) اسلامی فقہ۔ سوقرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے ہزاروں آیات، لاکھوں احادیث والفاظ ومحاوراتِ عربیہ اور سیکڑوں صفحات پر مشتمل فقہ اسلامی کے دفاتر جس حیرت انگیز طریقے سے اپنے سینوں میں محفوظ کرلیے، پھر ان کو پڑھا پڑھایا اور ضبط رکھا، وہ تاریخ کا عدیم النظیر معجزانہ واقعہ ہے۔

اسلام کے بابرکت قرنوں میں عقائد، اعمال، اندازِ حکومت اور طرزِ معاشرت کی طرح طریقۂ تعلیم بھی دیکھنے میں بالکل سادہ تھا۔ مگر اس سادہ نظامِ تعلیم کی بہ دولت کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے ایسے باعظمت رجال پیدا ہوئے جو علم میں عمیق، کردار کے پختہ، فکر کے صائب اور راہِ حق کے مجاہد تھے۔ وہ اپنوں کے لیے قابلِ فخر ہیں تو غیروں کے لیے قابلِ رشک! اور اس حقیقتِ باہرہ سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اس وقت ساری دنیائے اسلام اسی شجرۂ مبارکہ کے ثمرات طیبہ سے متمتع ہورہی ہے، ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ o تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ [إبراهيم: ٢٤، ٢٥]

جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں اس کی بڑی بلکہ بنیادی وجہ قوتِ حافظہ کا وفور اور حفظ کا نظام تھا۔ گو سطح بینوں کی ستم ظریفی، کم ظرفوں کی ناشکری اور خام علموں کی کور ذوقی سے امت محمدیہ کی قوتِ حافظہ کی خصوصیت بھی ایک ''عیب'' شمار کی جانے لگی:

گل است سعدی در چشم دشمناں خاراست!

درمیانی صدیوں میں اس سادگی سے نظم کی طرف ''ارتقا'' ہوا، ''بدویت'' کی جگہ ''حضریت'' آ گئی۔ علم کے لیے سینوں کی بجائے سفینوں پر اعتماد زیادہ کیا جانے لگا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اسلامی اور لغت وغیرہ علوم میں تصنیف شدہ کتابوں کے انبار لگ گئے۔ تاہم ان ادوار میں بھی علوم میں رسوخ، فنون میں پختگی، فکر میں گہرائی اور اعمال میں حسن پیدا کرنے کے لیے اس نظامِ تعلیم میں یہ امر لازمی سمجھا جاتا تھا کہ ہر علم وفن کی چند بنیادی کتابوں کو حفظ ضرور کیا جائے، چنانچہ کبار علماء اور محققین کے تراجم وتذکروں میں آپ دیکھیں گے کہ سب علماء وفقہاء تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ (حنفی ہو یا مالکی، شافعی ہو یا حنبلی)، لغت عربیہ اور اس کی شاخوں، معانی وبیان وغیرہ علوم کی ایک ایک دو دو کتابیں لازماً حفظ کرتے اور کراتے تھے اور ایسی کتابیں تصنیف کی جانے لگیں جن سے فن بہ آسانی حفظ ہوسکے۔

یہ الگ بات ہے کہ ان صدیوں میں بعض وجوہ سے، جن کے ذکر کا یہ موقع نہیں، ایک قسم کا جمود پیدا ہوگیا اور اجتہادی استعداد عموماً دبی رہی۔ فنون وعلوم کی بجائے صرف ''کتاب فہمی'' کی طرف رجحان بڑھ گیا مگر نصابِ تعلیم میں حفظ وضبط کو بہت اہمیت حاصل رہی۔

دوسرے اسلامی ممالک کے بارے میں تو نہیں کہا جاسکتا لیکن

برصغیر پاک وہند میں ایک عرصہ سے حفظِ علوم کا طریقہ تقریباً متروک ہے۔ اصولِ تفسیر، قراءات وتجوید، حدیث واُصولِ حدیث، فقہ واُصول فقہ، عقائد وکلام، لغت واَدب، معانی وبیان وغیرہ کی کوئی کتاب ہمارے مدارس میں حفظ کی جاتی ہے نہ کرائی جاتی ہے۔ علماء وطلباء کی خدمت میں بہ صد معذرت واَدب اپنا یہ تأثر پیش کرنا شاید واقعہ کے خلاف نہ ہو کہ ہمارے طلباء کی اکثریت میں جو رسوخ فی العلم پیدا نہیں ہو پاتا اور ہمارے مدارس میں ایک طرح کا ''عقم'' سا پایا جانا شروع ہوگیا ہے تو اس میں بہت سا دخل اس سبب کو بھی ہے کہ حفظ وضبط کو مدارس بدر کردیا گیا ہے۔

ضرورت ہے کہ عربی نظام تعلیم کے اس اہم حصے کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔ محترم اربابِ مدارس اور طلبائے کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس تجویز کو غور وفکر کا موضوع بنائیں کیونکہ ایک دو کتابیں سمجھ کر حفظ کرنے سے فن ذہن میں مرتسم ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد نسبتاً تفصیلی کتاب پڑھی جائے تو خوب بصیرت پیدا ہوجاتی ہے۔

البتہ اس سلسلے میں دو باتوں کی طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱: حفظ وضبط کے لیے ہر فن کی ایسی کتابوں کا انتخاب کیا جائے جن میں جامعیت کے ساتھ ساتھ عبارت کی سلاست، عذوبت اور سہولت بھی ہو۔

۲: فقہ واُصولِ فقہ اور عقائد وکلام کی کتابیں ایسی ہوں جن سے پوری فقہ اسلامی اور ہر مکتبِ فکر سے واقفیت پیدا ہوسکے۔ کسی ایک ہی نقطہ خیال پر محدود کردینے سے علم میں وسعت اور فکر میں اجتہادی قوت نہیں پیدا ہوتی۔

ماضی میں ہمارے جو علمائے عظام تعلیم وتعلم میں حریم تقلید وتقیّد سے باہر نکلے تھے وہی مجتہدانہ انداز سے امت کی خدمت کرسکے ہیں۔ ایک حصار میں محصور فقہاء بے چارے بعض خدمات کے باجود "اجتهاد في المذهب" سے آگے نہ بڑھ سکے اور ساری استعداد جزئیات کے گرد چکر کاٹنے میں صرف کردی۔ لیکن حالات بدل چکے ہیں۔ اب عربی تعلیم کو آفاقی نقطۂ نظر سے مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ واللہ الموفق

---

(۲۸)

مئی ۱۹۵۹ء کے رحیق میں جو ''ایک افسوس ناک اطلاع'' شائع کی گئی تھی، جماعت اہل حدیث نے عام طور پر اس کو بہت محسوس کیا ہے۔ بہت سے اہل علم نے ملاقات پر اور خطوط کے ذریعے، جرائد ومجلّات نے اپنے شذرات میں رحیق کے بقا کو ایک بڑی ضرورت اور اس کی بندش کو جماعت کا علمی نقصان قرار دیا۔ بہت سے احباب نے وعدوں کی حد تک عملی تعاون کی پیش کش فرمائی، جماعت سے باہر کے علمی حلقوں نے اس علمی وتبلیغی مجلّے کے بند ہوجانے کی خبر پر افسوس اور تعجب کا اظہار کیا اور اس طرح رحیق کو جو خراجِ تحسین ادا کیا گیا ہے اس کے لیے ہم ان سب حضرات کے ممنون ہیں۔ لیکن ان باتوں کے باوجود عملی طور پر ایسی صورت نہ پیدا ہوسکی جو ہمیں اپنا فیصلہ بدلنے پر آمادہ کرسکے، اس لیے بڑی دلی کوفت کے ساتھ آج سے وہ افسوس ناک اطلاع عملی صورت اختیار کررہی ہے ؎

اب تو جاتے ہیں میکدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

لله الأمر من قبل ومن بعد

تحقیق وتدقیق

الإيثار بمعرفة رواة الآثار

کے ایک مطبوعہ نسخے کا حال۔ مشتری ہوشیار باش!

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ
إدارة العلوم الأثرية، فيصل آباد

شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) کی تصانیف ان کے تلمیذ رشید حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے ”الجواهر والدرر في ترجمة شيخ الإسلام ابن حجر“ میں ۲۷۳ شمار کی ہیں۔ جب کہ ڈاکٹر شاکر محمود عبدالمنعم حفظہ اللہ نے اپنے رسالہ ”ابن حجر ودراسة مصنفاته“ میں ان کی ۲۸۰ کتابوں کا تعارف بڑی شرح وبسط سے پیش کیا ہے جو ۴۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ انھی کتابوں میں ایک کتاب ”الإيثار بمعرفة رواة الآثار“ کے نام سے ہے۔

یہ کتاب انھوں نے علامہ قاسم بن قطلو بغا کے مطالبے پر لکھی ہے، چنانچہ کتاب کے مقدمے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فإن بعض الأخوان التمس مني الكلام على رواة كتاب الآثار للإمام أبي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني...... إلخ“

”بعض اخوان نے مجھ سے التماس کی کہ میں امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب ”الآثار“ کے راویوں پر کلام کروں۔“

یہی بات انھوں نے تعجيل المنفعة کے مقدمے میں یوں ذکر کی ہے:

”فإنني أفردته بالتصنيف لسؤال سائل من حذاق أهل العلم الحنفية سألني في إفراده فأجبته وتتبعته، واستوعبت الأسماء التي فيها...... إلخ“

حافظ سخاوی نے الضوء اللامع (۱۸۵/۶) میں علامہ قاسم کے ترجمے میں لکھا ہے کہ سائل یہی علامہ قاسم بن قطلو بغا ہیں بلکہ یہ بھی انھوں نے لکھا ہے کہ کتاب الآثار کے رجال کو خود علامہ قاسم نے بھی مرتب کیا ہے۔

”الإيثار بمعرفة رواة الآثار“ پہلی بار إدارة القرآن والعلوم الإسلامية (کراچی) سے ۱۴۰۷ھ میں کتاب الآثار کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کا اصل نسخہ مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم نے اپنے ہاتھ سے مرتب کیا ہے جس کے بارے میں خود انھوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اسے ۱۳۵۸ھ میں مکمل کیا۔ اصل نسخہ جس سے میں نے یہ نسخہ نقل کیا ہے وہ ۱۲۳۸ھ کا مکتوبہ ہے جو تصحیفات سے بھرا ہوا تھا۔ کئی مقامات سے اسے پڑھنا بڑا دشوار تھا۔ میں نے بڑی جدوجہد سے اس نسخے کو پڑھا اور اسے نقل کیا ہے۔ لیکن انھوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ اصل نسخہ انھوں نے کہاں سے حاصل کیا اور وہ کس لائبریری کی زینت ہے۔

حسنِ اتفاق کہ مولانا نعمانی مرحوم کے مکتوبہ نسخے کا عکس ہمارے ادارۃ العلوم الاثریہ کے کتب خانے میں موجود ہے جس پر مولانا نعمانی کے جا بجا مفید توضیحی حواشی ہیں۔ کاش! ادارۃ القرآن کے منتظمین حضرات انھیں بھی شامل اشاعت کر دیتے۔ کتاب کی طباعت میں بھی حزم واحتیاط کی بجائے تساہل پایا جاتا ہے۔ ”حرف الجيم“ کے بعد ”حرف الحاء“ کے عنوان کے بغیر ہی ”حرف الحاء“ پر مشتمل تراجم ذکر کر دیے گئے ہیں۔ اسی طرح ”حرف الحاء“ کے

تحت ہی خارجہ بن عبداللہ کا ترجمہ ذکر کر دیا گیا ہے حالانکہ اسے "حـرف الـخـاء" کے عنوان کے تحت ذکر کرنا چاہیے تھا۔ مولانا نعمانی مرحوم کے نسخے میں یہ سقم قطعاً نہیں مگر اصحاب طباعت نے اس میں گڑ بڑ کر دی ہے۔

اسی طرح سعد بن مالک بن أهيب الزهري اور اس کے بعد نمبر ۸۴ میں "سـعـد بن أبي وقاص أحد العشرة" کا ترجمہ ہے حالانکہ مولانا نعمانی مرحوم کے نسخے میں ہے:

"سـعـد بـن مالك بن أهيب وهو سعد بن أبي وقاص أحد العشرة."

یہاں "وهـــو" مطبوعہ نسخے سے ساقط ہو گیا ہے اور اصحاب طباعت نے بے خبری میں اسے دو راوی بنا دیے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس کے متصل بعد "سـعـد أو سـعـيد" کا ترجمہ ہے جس کے آخری الفاظ ہیں:

"لـكـن وقع عند عبد الرزاق من وجه آخر: أن عمر بعث سفيان بن عبد الله الثقفي ساعياً."

حالانکہ مولانا نعمانی کے مکتوبہ نسخے میں "أن عمر" کے بعد کے الفاظ قطعاً نہیں ہیں۔ یہ "بـعـث سفيان...... إلخ" کے بے جوڑ الفاظ معلوم نہیں کہاں سے نقل کر دیے گئے ہیں جب کہ مصنف عبد الرزاق (۴/۱۳، رقم: ۶۸۱۳) میں تو ہے:

"عـن سـعـد الأعرج أن عمر بن الخطاب لقي سعدا."

اور یہ سعد وہی سـعـد الأعـرج ہیں جیسا کہ امام بخاری کی التاريخ الكبير (۴/۵۳) سے معلوم ہوتا ہے۔ گویا حافظ ابن حجر کہنا چاہتے ہیں کہ کتاب الآثـار میں سعد سے مراد یہاں سعد بن مالک بن سنان ابوسعید خدری معلوم ہوتے ہیں جب کہ مصنف عبدالرزاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سعد الاعرج ہیں۔ "الإيـثـــار" کے ایک دوسرے مطبوعہ نسخہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے مگر یہاں مزید تفصیل مقصود نہیں۔ بتلانا صرف یہ تھا کہ "أن عـمـر" کے بعد کا جملہ ادارۃ القرآن کے منتظمین نے معلوم نہیں کہاں سے ٹانک دیا ہے۔

"الإيثار بـمعرفة رواة الآثار" کا ایک اور نسخہ شیخ علی بن سلیم بن عید العبادی کی تحقیق سے دار الـعـاصـمة لـلـنشر والتـوزيـع، الـريـاض السعودية العربية سے ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء میں شائع ہوا ہے جسے "الإيـثـار" کے دو قلمی اور ایک مطبوعہ نسخے سے مرتب کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک نسخے کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ وہ خود حافظ ابن حجر کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا نسخہ بھی اسی نسخے سے منقول ہے۔

ان کے علاوہ تیسرا نسخہ مطبوعہ ہے جس کا اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں، اس کے بارے میں شیخ علی بن سلیم نے فرمایا ہے:

"لـكـنـهـا سـقـيـمة جـداً بحيث أكاد أجزم أنها ليست لـلـمؤلف إذ أن فيها عشرات التراجم ليست موجودة في الأصلين."

(مقدمة الإيثار، ص: ۱۰)

"لیکن وہ بہت سقیم ہے۔ میرا غالب گمان ہے کہ وہ مؤلف (حافظ ابن حجر) کا نہیں ہے کیوں اس میں دسیوں تراجم ایسے ہیں جو دونوں اصل نسخوں میں نہیں ہیں۔"

بلکہ عبداللہ بن انس النخعی کا ترجمہ نقل کرنے کے بعد "عمر بن عبید اللہ بن مصر" کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے شیخ علی سلیم نے کہا ہے:

"مـن بداية أول هذه الترجمة إلى نهاية الكتاب ساقط من المطبوعة." (الإيثار، ص: ۵۹)

"اس ترجمے سے لے کر آخر کتاب تک مطبوعہ نسخے سے تراجم ساقط ہیں۔"

"عمر بن عبید اللہ" کا رقم الترجمہ ۱۲۸ ہے اور آخری رقم ۲۷۰ ہے۔ گویا شیخ علی سلیم فرماتے ہیں کہ مطبوعہ نسخے میں ۱۴۳ تراجم ساقط ہیں۔ یہ تفصیل پڑھ کر ہیچمدان دیر تک ورطۂ حیرت میں پڑا رہا کہ مولائے کریم! یہ کیا ماجرا ہے۔ چنانچہ ان تراجم کی، جن کے بارے

میں کہا گیا ہے کہ وہ مطبوعہ نسخے سے ساقط ہیں، مراجعت سے یہ عقدہ حل ہوا کہ جن ۱۴۳ تراجم کے بارے میں شیخ علی سلیم صاحب نے کہا ہے کہ وہ مطبوعہ نسخے سے ساقط ہیں یہ تمام تراجم دراصل کتاب الآثار کے نہیں بلکہ مسند امام احمد کے ہیں۔

چنانچہ اسی پہلے راوی عمر بن عبید اللہ بن معمر کو دیکھیے جسے کتاب الآثار کا راوی باور کرایا گیا ہے۔اسی راوی کا ترجمہ تعجیل المنفعة (۴۱/۲) میں ہے اور حافظ ابن حجر نے اس پر "أ" کی علامت لگائی ہے جو اس حقیقت کی مُشعِر ہے کہ یہ راوی مسند امام احمد کا ہے جیسا کہ تعجیل المنفعة کے مقدمے (ص:۲۳۶) میں صراحت ہے:

"وعلامة أبي حنيفة "فه" وعلامة أحمد "أ"

''مسند ابی حنیفہ کے راوی کی علامت "فه" ہے اور مسند احمد کی علامت "أ" ہے۔''

پھر اس ترجمے میں جو لکھا گیا ہے تقریباً وہی کچھ تعجیل المنفعة میں بھی موجود ہے۔

عمر بن عبید اللہ کے بعد دوسرا راوی الإیثار میں عمر بن عمرو ہے جس کے بارے کہا گیا ہے:

"يأتي في عمرو بن عمر قريباً إن شاء الله تعالى."

یہی کچھ تعجیل المنفعة (۴۷/۲) میں ہے: "عمر بن عمرو يأتي في عمرو بن عمر" اور آگے عمرو بن عمر کا ترجمہ تعجیل (۷۰/۲) میں ہے اور اس پر بھی مسند امام احمد کی علامت "أ" ہی ہے۔کتاب الإیثار اور تعجیل میں عبارتوں کا مفہوم بھی یکساں ہے اگرچہ کچھ الفاظ میں تبدیلی پائی جاتی ہے۔البتہ الإیثار میں اس کی کنیت ''ابوعمر'' ہے جب کہ تعجیل اور الإكمال للحسيني (۶۲۲/۱) میں ابوعثمان ہے۔ظاہر ہے کہ الإیثار میں جو اس کی کنیت ''ابوعمر'' بیان ہوئی ہے، درست نہیں۔

تیسرا راوی عمران بن عمیر ہے۔ یہ راوی مسند احمد اور مسند ابی حنیفہ کا ہے کیوں کہ تعجیل المنفعة (۸۲/۲) میں اس پر ان دونوں کتابوں کی علامت "أ ، فه" دی گئی ہے۔

چوتھا راوی عمران بن مخمر ذکر ہوا ہے اور یہ بھی مسند امام احمد کا ہی راوی ہے کیوں کہ تعجیل المنفعة (۸۳/۲) میں اس پر اسی کی علامت "أ" لگائی گئی ہے۔

اسی طرح باقی تراجم کا حال ہے۔حیرت ہے کہ بعض راویوں کے تراجم میں بہ تکرار مسند امام احمد کی حدیث کا حوالہ بیان کیا گیا ہے اور الإیثار کے محقق جناب علی بن سلیم صاحب وہاں مسند احمد سے اس کی تخریج کرتے ہیں۔کتاب الآثار یا مسند ابی حنیفہ کے حوالے سے ایک کلمہ بھی ان میں مذکور نہیں مگر محقق صاحب کے نزدیک یہ پھر بھی کتاب الآثار کے راوی ہیں۔شاید اس لیے کہ ان کا نام "الإیثار بمعرفة رواة الآثار" میں آیا ہے اور اس کا ایک نسخہ تو خود الإیثار کے مصنف علامہ ابن حجر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، مثلاً: قاسم بن عبید اللہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔کتاب الإیثار میں چار پانچ بار مسند احمد کی روایات کا ذکر ہے اور محقق صاحب نے ان کا باقاعدہ حوالہ بھی دیا ہے۔تعجیل المنفعة میں اس راوی کی علامت صرف مسند احمد کی "أ" دی ہے مگر اس کے باوجود یہ کتاب الآثار کا راوی ہے جب کہ اس کا کوئی اشارہ ترجمہ میں مذکور نہیں۔

اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ محقق "الإیثار" شیخ علی سلیم صاحب کئی مقامات پر راوی کے تعارف کے لیے تعجیل المنفعة کا حوالہ دیتے ہیں، مثلاً: قیس بن سمی، کثیر بن فضل اور کردوس بن قیس وغیرہ۔تعجیل المنفعة میں ان کے بارے میں مسند احمد کی علامت لکھی ہوئی ہے۔تعجیل میں اس واضح اشارے کے باوجود وہ بڑی سادگی سے ان تمام راویوں کو کتاب الآثار کے راوی قرار دیتے ہیں اور مطبوعہ الإیثار کے نسخے پر معترض ہیں کہ ان سب راویوں کا ذکر مطبوعہ نسخے سے ساقط ہے بلکہ اس کا انتساب ہی حافظ ابن حجر کی طرف درست نہیں۔سبحان اللہ!

معلوم نہیں ان سب حقائق کے علی الرغم اتنا بڑا دعویٰ انھوں نے

کیسے کر دیا یا پھر ان کی طرف انھوں نے نظرِ التفات ہی نہیں فرمائی اور جو اشکال بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے اس کو حل کرنے کی زحمت ہی نہیں اٹھائی۔

قلمی نسخے کا جو عکس بہ طورِ نمونہ شیخ علی بن سلیم نے دیا ہے اور بتلایا ہے کہ وہ حافظ ابن حجر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اسی سے انھوں نے سمجھا کہ اس میں جو کچھ ہے وہ کتاب الآثار کے راویوں کے بارے میں ہی ہے حالانکہ معاملہ کچھ اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ الإیثار بلاشبہ کتاب الآثار کے راویوں پر مشتمل ہے اور اس کے اس مکتوبہ نسخے کے ابتدائی ۱۲۷ راوی بھی کتاب الآثار کے راوی ہیں مگر اس کے بعد عمر بن عبید اللہ بن معمر، یعنی رقم الترجمہ ۱۲۸ سے لے کر آخر کتاب تک کے راوی صرف کتاب الآثار کے نہیں بلکہ یہ دراصل علامہ حسینی کی کتاب التذکرۃ اور الإکمال اور ابوزرعہ العراقی کی ذیل الکاشف میں جو اوہام ہیں ان کی وضاحت اور تصحیح پر مشتمل ہیں اور وہ راوی عموماً مسند احمد کے ہیں۔ بلکہ ''الإیثار'' کے اسی نسخے کے اختتام پر حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

''وكنت شرعت فيه سنة ثمان عشرة وثمان مائة فكتبت منه كراسة ثم بيضت منها شيئا في سنة ثمان وعشرين في كراسة واحدة من أجل الشيخ شمس الدين الجزري لأنني كنت ذاكرته لما قرئ عليه مسند أحمد بالقاهرة حين قدمها والتمس مني تبييض ذلك كله فبيضت له كراس ثم أعجله السفر فاقتصر عليها...... إلخ''

''میں نے اس کے مسودے کا آغاز ۸۱۸ھ میں کیا۔ اس سے کچھ اوراق لکھے، پھر ۸۲۸ھ میں ایک کاپی میں شیخ شمس الدین الجزری کی بات پر عمل کرتے ہوئے اس کی تبییض کی کیوں کہ میں نے قاہرہ میں، جب ان پر مسند احمد کی قراءت کی گئی تھی، اس کا ان سے ذکر کیا تھا۔ انھوں نے مجھ سے اس کے کامل مبیضے کا مطالبہ کیا تو میں نے ایک کاپی میں تبییض کر دی، پھر انھیں سفر کی جلدی تھی تو اسی ایک کاپی پر کام رہا۔''

مزید انھوں نے فرمایا ہے کہ اس سے تھوڑی مدت بعد ہی باقی مبیضہ بھی تیار ہوگیا۔ ''الإیثار'' کے اس اختتامیے سے بادی النظر میں یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس مسودے اور مبیضے کا تعلق کتاب الآثار سے ہے۔ لیکن اس کی وضاحت تعجیل المنفعۃ کی حسب ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

''وقد كنت أفردت الأوهام التي وقعت للحسيني وتبعه عليها ابن شيخنا في جزء مفرد، كتب عني بعضه العلامة شيخ القراء شمس الدين الجزري لما قدم القاهرة سنة سبع وعشرين وثمان مائة وأعجله السفر عن تكملته وبلغني أنه ضم إلى شيء جمعه فيما يتعلق بالمسند الأحمدي.''

(التعجیل: ۱/ ۲۴۴)

''اور میں نے ان اوہام کو ایک علاحدہ رسالے (1) میں جمع کیا جو علامہ حسینی سے سرزد ہوئے ہیں اور ان اوہام میں ہمارے شیخ کے بیٹے نے بھی ایک جز میں ان کی پیروی کی ہے۔ وہ بعض اوہام مجھ سے علامہ شمس الدین الجزری نے لکھے جب وہ ۸۲۷ھ میں قاہرہ میں آئے تھے مگر انھیں جلد سفر کرنا پڑا اور وہ اس کو مکمل نہ لکھ سکے۔ مجھے یہ بات پہنچی

(1) حافظ سخاوی نے اس کا نام یوں ذکر کیا ہے: ''الرفعة فيما يرد على الحسيني وأبي زرعة'' حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے ۸۳۳ھ میں اسے مکمل کیا۔ اسی موضوع پر ایک اور رسالے کا ذکر بھی حافظ سخاوی نے کیا ہے جس کا نام ہے: ''التعريف الأجود بأوهام من جمع رجال المسند.'' (الجواهر والدرر: ۲/ ۹۸۳، ۹۸۴)

ہے کہ انھوں نے انھیں اس رسالے میں ضم کر دیا جو انھوں نے مسند احمد کے بارے میں لکھا ہے۔'' ❶

حافظ ابن حجر کی ان دونوں عبارتوں میں معمولی فرق ہے، تاہم یہ بات قدر مشترک ہے کہ علامہ حسینی اور علامہ ابوزرعہ العراقی سے مسند امام احمد کے رجال کے بارے میں جو اوہام ہوئے ہیں ان کو ایک مستقل رسالے میں حافظ ابن حجر نے جمع کیا۔ اس کا آغاز ۸۱۸ھ میں کیا، ۸۲۸ھ میں اس کا کچھ مبیضہ تیار ہوا جس کی نقل علامہ جزری نے حاصل کی ہے۔ اس حقیقت سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ''عمر بن عبید اللہ بن معمر'' کے بعد سے سب تراجم اسی رسالے کا حصہ ہیں جو علامہ حسینی کے اوہام پر مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عموماً پہلے علامہ حسینی کا کلام نقل کرتے ہیں، پھر اس پر تعاقب کرتے ہیں۔ اس لیے ان تمام تراجم کو کتاب الآثار کے راوی قرار دینا قطعاً درست نہیں بلکہ راقم نے بعض رجال کا تتبع کیا تو وہ کتاب الآثار میں نظر نہیں آئے۔ اس کے برعکس کتاب الآثار کے وہ رجال صحیح ہیں جو ادارۃ القرآن (کراچی) سے کتاب الآثار کے ساتھ طبع ہوئے ہیں۔

اس لیے ''الإيثار بمعرفة رواة الآثار'' کا جو نسخہ شیخ علی بن سلیم العبادی کی تحقیق سے دار العاصمہ الریاض السعودیہ سے شائع ہوا ہے اسے بہ تمام وکمال کتاب الآثار کے راوی قرار دینا بالکل درست نہیں۔ لیکن یہ سوال بہ ہرحال غور طلب ہے کہ ''الإيثار'' کے ساتھ علامہ حسینی کے اوہام پر مشتمل رسالہ کیونکر خلط ملط ہوگیا جب کہ ''الإيثار'' کا قلمی نسخہ خود حافظ ابن حجر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں بادی النظر میں یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ اختلاط اور تداخل جلد بندی کے دوران ہوا ہے۔ دونوں رسالے حافظ ابن حجر کے ہیں اور دونوں ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں مگر بعد میں کسی سے تجلید کے دوران الإيثار کے ساتھ اوہام پر مشتمل رسالے کا آخری حصہ الإيثار کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

ہم اگر یہاں دار العاصمہ کے مطبوعہ نسخے کے چند تراجم اپنی تائید میں ذکر کریں تو بات طویل ہوجائے گی۔ ہمارا مقصد صرف اس حقیقت سے خبردار کرنا ہے کہ بلاتأمل اس نسخے کو کتاب الآثار کے رجال باور نہ کیا جائے جیسا کہ شیخ علی سلیم اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق ان شاء اللہ ہر وہ صاحب کریں گے جنھیں رجال واسانید کے موضوع سے معمولی شد بد حاصل ہے۔ کتاب الآثار کے رجال کا وہ نسخہ درست ہے جو مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم کے نسخے کو سامنے رکھ کر ادارۃ القرآن (کراچی) کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ گو اس میں طباعتی اوہام پائے جاتے ہیں مگر ایسے اوہام سے کون سی کتاب محفوظ ہے۔ یہ بہ ہرحال انسانی کوشش ہی تو ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی لغزشیں معاف فرمائے اور دین حنیف کو صحیح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔



اعلانِ داخلہ

مدرسہ سلفیہ للبنات اہل حدیث چوک بیگم کوٹ لاہور میں درسِ نظامی کی ابتدائی کلاسوں میں داخلہ ۳۰ شوال تک جاری رہے گا۔ داخلے کے لیے سرپرست کے ہمراہ رابطہ کریں۔

(مدیرہ مدرسہ ہذا)

درخواست دعائے صحت

حضرت مولانا سیّد عبدالشکور شاہ صاحب صدر مدرس جامعہ امام بخاری سرگودھا گزشتہ دنوں سے شدید علیل ہیں۔ میو ہسپتال لاہور کے قائد اعظم وارڈ کمرہ نمبر ۷ میں زیر علاج ہیں۔ احباب ان کی صحت کے لیے خصوصی دعائے صحت فرمائیں۔

(رابطہ نمبر: 0313-7516919)

---

❶ علامہ ابن الجزری کے اس رسالہ کا نام ہے: ''القصد الأحمد في رجال مسند أحمد.'' (البدر الطالع: ۲۵۸/۲ وغیرہ)

طلاق کا مسئلہ

یک بارگی طلاقِ ثلاثہ کو تین ہی قرار دینے والے ایک فیصل نامی شخص کی طرف سے پیش کی گئیں تین دلیلیں اور ان کا جواب

مولانا عبدالرحمٰن ضیاء حفظہ اللہ

اپریل ۲۰۱۲ء کو ہمارے محترم بھائی حاجی یونس ولد سراج دین جھنگوی صاحب حفظہ اللہ کی طرف سے ایک رقعہ وصول ہوا جس میں اہلِ تقلید میں سے فیصل جھنگوی نامی ایک شخص کی طرف سے یک بارگی طلاقِ ثلاثہ کو تین ہی قرار دینے کی تین دلیلیں ذکر کی گئی تھیں اور اس کے ساتھ ان کے جواب کا مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔ بھائی یونس صاحب نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ اس شخص نے یہ بات کہی ہے کہ اگر آپ اہل حدیث ان تین دلیلوں کا جواب دے دیں تو میں مان جاؤں گا اور اہلِ حدیث (حدیثِ نبوی پر عمل کرنے والوں) میں سے ہو جاؤں گا۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کو پڑھا، پھر اس کا جواب لکھا۔ اگر اس جواب میں کسی شِقّ یا جزئی یا استدلال واستنباط میں غلطی ہوگئی ہو تو ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہیں اور اہلِ علم سے امید رکھتے ہیں کہ اگر وہ اس میں ہماری کسی غلطی پر مطلع ہوں تو ہمیں بھی اس پر مطلع کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وحدیث نبوی کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (عبدالرحمٰن ضیاء)

فیصل صاحب کی ذکر کردہ دلیل نمبر ا کا جواب:

صاحب رقعہ نے اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ [البقرة:] کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے وہ اس کے لیے حلال نہیں رہتی، جب تک وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے۔

(سنن کبریٰ ۷/۳۳۳)

جواب:

میں کہتا ہوں: امام شافعی رحمہ اللہ کی کئی باتیں ایسی ہیں جو حنفی دیوبندی بھی تسلیم نہیں کرتے، حتی کہ قرآنِ مجید کی آیات کی تفسیر سے متعلق ان کی کئی باتیں حنفی نہیں مانتے، مثلا:

ا: اسی رقعہ میں جو یہ لکھا ہے کہ غیر مدخولہ (جس عورت کے ساتھ نکاح کے بعد ابھی ہم بستری نہ کی گئی ہو) کو اگر اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ اس طلاق دینے والے کے لیے حلال نہیں رہتی جب تک وہ کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کرلے۔

صاحبِ رقعہ جس حنفی مذہب کی تقلید کرتے ہیں امام شافعی کی یہ بات اس کے خلاف ہے کیونکہ احناف کے نزدیک غیر مدخولہ عورت کو اکٹھی تین طلاقیں دی گئی ہوں تو وہ بائنہ طلاق ہوتی ہے، جس کے بعد بغیر حلالہ اس کے ساتھ تجدیدِ نکاح (از سرِ نو نکاح) ہوسکتا ہے اور بعض حنفیوں نے امام شافعی کے اس موقف کی کھل کر تردید کی ہے۔ صاحبِ رقعہ کو اس کی خبر ہے یا نہیں، اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ان کے شیخ الفقہ سرفراز صفدر صاحب کی کتاب عمدۃ الأثاث (ص:۵۲) دیکھیے۔

فیصل صاحب امام شافعی کی جس عبارت کو اپنے لیے دلیل بنا رہے ہیں اس میں مسئلے کی دوصورتیں مذکور ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ مدخولہ (نکاح کے بعد جس سے قربت و مجامعت ہوچکی ہو) کو اکٹھی تین طلاقیں مل چکی ہوں۔ اس صورت میں تو حنفی مذہب امام شافعی کی موافقت کرتا ہے۔

دوسری صورت: یہ ہے کہ غیر مدخولہ کو اکٹھی تین طلاقیں مل گئیں ہوں تو اس صورت میں صاحبِ رقعہ کا حنفی مذہب امام شافعی کے مسئلے کو غلط سمجھتا ہے حالانکہ امام شافعی نے ان دونوں مسئلوں کو ثابت کرنے کے لیے اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

اب اگر صاحبِ رقعہ کے نزدیک بھی دوسری صورت میں امام شافعی سے اس آیت کریمہ کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہے تو کیا ان سے پہلی صورت والے مسئلے میں اس آیتِ کریمہ سے استدلال کرنے اور اسے سمجھنے میں غلطی نہیں ہوسکتی؟ کیوں نہیں! ضرور ہوسکتی ہے۔ اور ان سے ایک نہیں کئی مسائل کے سمجھنے میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ صرف امام شافعی ہی سے اجتہادی غلطیاں نہیں ہوئیں بلکہ دیگر ائمہ مثل مالک، ابوحنیفہ اور احمد سے بھی اجتہادی غلطیاں ہوئی ہیں۔ اگر ان سب کی اجتہادی آرائے خاطئہ کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب معرضِ وجود میں آسکتی ہے حتی کہ اگر اکیلے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی اس طرح کی اجتہادی آراء کو ہی یک جا کر دیا جائے تو ایک بڑی کتاب تیار ہوجائے۔

تو اب صاحبِ رقعہ فیصل صاحب امام شافعی کی اس غلطی پر اصرار کس لیے کریں گے جب کہ دوسرے مسئلے پر اس آیت سے استدلال کرنے میں امام شافعی کی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اس کے مطابق وہ نہ ہی عقیدہ بناتے اور نہ ہی مسئلہ بتاتے ہیں۔

۲: امام شافعی کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں دینا سنت ہے، اور امام ابنِ حزم کو اپنے خیال کے مطابق اس کے سنت ہونے کی دلیل قرآنِ مجید کی اسی آیتِ کریمہ سے ملی۔ جب کہ صاحبِ رقعہ فیصل صاحب کے حنفی مذہب کے مطابق اکٹھی تین طلاقیں دینا خلافِ سنت، یعنی بدعت اور اللہ کی نافرمانی ہے، جیسا کہ ان کی ''ہدایہ'' میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے۔

اگر صاحبِ رقعہ فیصل صاحب امام شافعی کے اس استدلال، یعنی اکٹھی تین طلاقیں دینے کے جواز کو صحیح سمجھتے ہیں تو پھر انھیں اس پر عمل کر کے یا لوگوں سے عمل کرا کے بدعت ونافرمانی والے کام کو سنت کہنا پڑے گا۔ تو صاحبِ رقعہ کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک امام کے غلط استدلال کو صحیح کہہ کر ایک بدعت و نا فرمانی والے کام کو سنت کہیں۔

فیصل صاحب یہ بات یاد رکھیں کہ امام شافعی نے اپنی اور اپنے غیر کی تقلید سے منع فرما دیا تھا۔ (دیکھیے مختصر المزني، ص: ۱۔ حجّة الله البالغة: ۱/۱۵۵ درسی نسخہ)

نیز فرمایا:

"لا حجة في قول أحد دون رسول الله ﷺ وإن كثروا، ولا في قياس ولا في شيء وما ثم إلا طاعة الله ورسوله بالتسليم."

(حجة الله، ص: ۲۵۷)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کے بھی قول میں حجت و دلیل نہیں ہے اگرچہ وہ تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔ نہ ہی قیاس میں دلیل ہے اور نہ ہی کسی اور چیز میں۔ اور وہاں، یعنی اللہ کے دین میں اللہ اور اس کے رسول اطاعت کو قبول کر لینے کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔

انھوں نے اپنے اسی شاگرد مزنی ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ سے کہا تھا:

"يا أبا إبراهيم! لا تقلدني في كل ما أقول وانظر في ذلك لنفسك فإنه دين."

(حجة الله البالغة)

''اے ابو ابراہیم! تُو ہر اُس بات میں میری تقلید نہ کرنا جو میں کہوں اور تُو اس میں اپنی ذات کے لیے سوچ لے کیوں کہ یہ دین ہے (یعنی دین کو اندھا دُھند نہیں لینا چاہیے)۔''

تنبیہ: حجۃ اللہ میں یہ اقوال عبدالوہاب شعرانی صوفی کی ''الیواقیت الجواھر'' سے نقل کیے گئے ہیں، اس میں ابوابراہیم

کی بجائے ابراہیم لکھا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔

۳: وضوء کرنے کے بعد اگر عورت کو ہاتھ لگ جائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس موقف پر قرآنِ مجید میں آیت ﴿اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [النساء: ٤٣] سے استدلال کرتے ہیں۔

مزید برآں امام شافعی کے نزدیک وضوء کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بوسہ دے دے تو اس کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ سورۂ نساء کی مذکورہ بالا آیت ہی سے استدلال کرتے ہیں۔ جب کہ امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ (احناف اور امام سفیان ثوری) کے نزدیک ان کا یہ استدلال درست نہیں ہے اور ان کے نزدیک بیوی کو بوسہ دینے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ اس مسئلے میں امام مالک، امام احمد، امام اسحاق اور امام اوزاعی بھی امام شافعی کے ساتھ ہیں بلکہ عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی موقف ہے، اور انھوں نے قرآنی لفظ ﴿لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ ہی سے استدلال کیا ہے۔ (اس کی تفصیل تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی باب ترك الوضوء من القُبلة کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔)

لیکن صاحبِ رقعہ کے حنفی اماموں کے نزدیک امام شافعی، مالک، احمد، اسحاق، اوزاعی رحمہم اللہ، عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اس آیت کریمہ سے استدلال صحیح نہیں اور ان کی یہ تفسیر درست نہیں۔ انھوں نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ وہ اس کی تردید کرتے ہیں۔ تو جس طرح ان کی نظر میں امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ سے آیت ﴿لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہے تو کیا ان سے ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ﴾ کے معنی ودلالت سمجھنے میں خطا نہیں ہوسکتی؟ کیوں نہیں ہوسکتی!

۴: پھر دیکھیے طلاق ہی کے مسئلے میں صاحب رقعہ کے مذہب، یعنی فقہ حنفی کے فقہاء کے نزدیک امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک بڑی غلطی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت تمام فقہائے حنفیہ ایک ہی لفظ میں دو یا تین طلاقیں دینا بدعت ونافرمانی سمجھتے ہیں جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''ہدایہ'' میں لکھا ہوا ہے:

"قال الشافعي: كل طلاق مباح."

(هداية: باب طلاق السنة)

''امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر طلاق مباح وجائز ہے۔''

جب کہ ''ہدایہ'' کے مصنف برہان الدین مرغینانی حنفی اکٹھی تین طلاقیں دینا بدعت اور معصیت قرار دیتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ کا رد کرتے ہیں۔

۵: پھر مزید دیکھیے کہ امام شافعی رحمہ اللہ طلاق ہی کے مسئلے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ﴾ [البقرة: ٢٢٨] کے بارے کہتے ہیں کہ مطلقہ عورت کی عدت تین بار طہر پاکی کے دنوں کا آنا ہے جب کہ حنفیوں کے نزدیک امام شافعی کی یہ رائے درست نہیں ہے کیوں کہ ان کے نزدیک اسی آیتِ کریمہ میں وارد لفظ ﴿قُرُوْء﴾ سے ایام حیض (عورت کی ناپاکی کے ایام) مراد ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک مطلقہ عورت تین ماہ واریاں عدت گزارے گی، جیسا کہ اس کی تفصیل کتبِ فقہ واُصول فقہ اور کتبِ تفسیر میں عام پائی جاتی ہے۔ اور اسی اختلاف کی بنا پر احناف اور امام شافعی رحمہ اللہ کے درمیان عدت گزارنے والی عورت سے متعلق مزید سات اختلافی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کی تفصیل حنفیوں کے مدارس میں داخل نصاب کتاب أصول الشاشي کے اوائل ہی میں موجود ہے۔

۶: جناب فیصل صاحب نے جو لعان والی روایت ذکر کی ہے اس میں مذکور لعان کے بارے میں بھی احناف اور امام شافعی کے درمیان اختلاف ہے اور وہ یہ کہ لعان میں زوجین کے درمیان جدائی کب واقع ہوتی ہے؟

امام شافعی کے نزدیک تو جب خاوند اپنی شہادتوں سے فارغ ہوجاتا ہے اسی وقت جدائی ہو جاتی ہے، خواہ بیوی نے ابھی اپنی شہادتیں نہ بھی دی ہوں۔ جب کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین

کے نزدیک زوجین دونوں اپنی اپنی شہادتوں سے فارغ ہوں تو بھی ان کے درمیان جدائی نہیں ہوگی جب تک کہ حاکم یا قاضی ان کے درمیان جدائی نہیں کرائے گا۔

اس سے واضح طور پر معلوم ہورہا ہے کہ احناف بھی امام شافعی کی بہت سی آراء کو قبول نہیں کرتے حنفیوں کی فقہ اور اُصولِ فقہ کی کتابیں، مثلاً: أصول الشاشي، نور الأنوار اور حسامي وغیرہ امام شافعی رحمہ اللہ کی تردید کے ساتھ بھری پڑی ہیں۔ وہ ان کی آراء کو کمزور اور غلط قرار دیتے ہوئے بسا اوقات ان کی توہین بھی کر جاتے ہیں۔ کئی ایک مقامات پر انھوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کی آراء کو قرآن یا حدیث کے خلاف قرار دیتے ہوئے ان کی طرف جہالت کی نسبت بھی کی ہوئی ہے۔

۷: چنانچہ حنفیوں کے مدارس میں داخلِ نصاب اُصولِ فقہ کی مشہور کتاب نور الأنوار کے مصنف احمد ملا جیون حنفی نے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۳۰۰ پر بحث الأهلية میں امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق متن: "وجهل من خالف في اجتهاده الكتاب." ''اس کے جاہل ہونے کی طرح جس نے اپنے اجتہاد کرنے میں کتاب اللہ یعنی قرآن پاک کی مخالفت کی۔'' کی شرح میں لکھا ہے:

"كجهل الشافعي في حل متروك التسمية."

''جیسا کہ شافعی کا جاہل ہونا ہے اس جانور کے گوشت کو حلال قرار دینے میں جس پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو (کیونکہ ان کا یہ اجتہاد قرآن مجید کے خلاف ہے۔)''

۸: اور اس کے بعد ملا جیون حنفی نے ایک اور مثال پیش کی ہے جس میں انھوں نے اپنے خیال کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کو اپنی جہالت کی بنا پر حدیث کی مخالفت کرنے والا باور کرایا ہے، چنانچہ ملا جیون کہتے ہیں:

''جیسا کہ شافعی کا اس مسئلے میں جاہل رہنا کہ ایک گواہ اور (مدعی) کی قسم کی بنا پر (قاضی کا) فیصلہ کرنا جائز ہے۔''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ملا جیون صاحب امام شافعی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ کی مخالفت کرنے والا قرار دے رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں: امام شافعی اور امام ابن حزم رحمہما اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ میں جو بہ یک وقت و یک بارگی تین طلاقیں دی ہوئی مطلقہ کو داخل کیا ہے، درست نہیں ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل جو دو طلاقوں کا ذکر کیا ہے وہ دو رجعی طلاقیں ہیں جن کے بعد خاوند اپنی مطلقہ سے عدت کے اندر اندر رجوع کرنے کا پورا حق رکھتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ [البقرة: ۲۲۹]

صاحب رقعہ کے ایک بڑے شیخ مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: ''طلاق رجعی ہے دو بار تک۔''

اور اہل حدیث عالم دین مولانا حافظ عبد السلام بھٹوی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: ''یہ طلاق (رجعی) دو بار ہے۔''

مشہور درسی تفسیر جلالین میں عربی زبان میں اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے:

"أي التطليق الذي يراجع بعده."

''یعنی وہ طلاق دینا جس کے بعد رجوع کر لیا جاتا ہے، وہ دو ہیں۔''

اور مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی کے شیخ مولانا محمد تھانوی حنفی نے نسائی کے حاشیے میں لکھا ہے:

"فالتطليق الشرعي على التفريق دون الجمع والإرسال مرة واحدة." (حاشیه نسائی: ۲/ ۲۹، بحواله مجموعه مقالات علميه، ص: ۲۶)

''شرعی طلاق علاحدہ علاحدہ ہو، نہ کہ ایک ہی بار اکٹھی طلاقیں دے کر بھیج دے۔''

اس سے بہ خوبی ثابت ہوگیا کہ اس آیت کریمہ میں اکٹھی

طلاقوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اکٹھی طلاقیں دینے کا قرآن مجید میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ اگر اس جگہ اکٹھی طلاقوں کا ذکر ہوتا تو پھر ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ نہ ہوتا بلکہ الفاظ اس طرح ہوتے: ''اَلطَّلَاقَانِ مَـرَّةً وَّاحِدَةً''، یعنی دو طلاقیں ایک ہی بار دینا (جائز و مشروع ہے)۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ ذکر ہی نہیں کیے۔ اگر الفاظ اس طرح ہوتے تو اس سے ان لوگوں کی دلیل بن سکتی تھی جو یہ کہتے ہیں کہ بہ یک وقت دو طلاقیں دینا جائز ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا۔لیکن اس طرح کے الفاظ قرآن میں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو رجعی طلاقوں کے بعد رجوع کا ذکر بھی کیا ہے، حنفی مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب ﴿فَاِمۡسَاكٌ بِمَعۡرُوۡفٍ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وہ طلاق جس میں رجوع ہو سکے کل دو بار ہے۔ ایک یا دو طلاق تک تو اختیار دیا گیا ہے کہ عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر دستور کے موافق رکھ لے یا بھلی طرح سے اسے چھوڑ دے، پھر عدت (گزرنے) کے بعد رجوع باقی نہیں رہتا۔ ہاں، اگر دونوں راضی ہوں تو پھر دونوں نکاح کر سکتے ہیں۔ اگر تیسری بار طلاق دے گا تو پھر ان کے بعد نکاح بھی درست نہیں ہوگا جب تک دوسرا شخص اس کے ساتھ نکاح کر کے قربت نہ کر لے۔'' (تفسیر عثمانی)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خلع کا ذکر کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرنے والوں کا سختی سے نوٹس لیا ہے اور ایسے لوگوں کو ظالم ٹھرایا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کریمہ سے تو اکٹھی دو طلاقیں دینا بھی قطعاً ثابت نہیں ہو رہا چہ جائے کہ اکٹھی تین ثابت ہوں کیونکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شرعی طلاق دینے کا طریقہ بتایا ہے کہ جب بھی طلاق دینے کی نوبت آ جائے ایک رجعی طلاق دیا کرو، اکٹھی طلاقیں نہ دیا کرو۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ یہ جملہ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ اگرچہ خبریہ ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ''طلبیہ انشائیہ امریہ'' ہے، یعنی ''طلقوا مرتین'' کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو حکم دے رہا ہے کہ رجعی طلاق دیا کرو، اکٹھی نہ دیا کرو۔ پھر کہتے ہیں کہ اکٹھی طلاقیں دینا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حرام ہیں۔ (تفسیر کبیر، جلد: ۳، جزء: ٦، ص: ۱۰٤)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اکٹھی تین طلاقیں دینے والے کی مطلقہ کو بھی ان کے ہاں رائج حلالہ کا حکم دیا جا رہا ہے وہ بڑی غلطی پر ہیں کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بدعی اور نافرمانی والی طلاق دینے کا طریقہ بتایا اور حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم نہیں دیتے، کیونکہ یہ سنت کے بھی خلاف ہے اور کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔ اس آیت میں چونکہ رجعی طلاق کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، تو اس کا یہی مطلب سمجھنا چاہیے کہ اس میں تیسری طلاق (آخری طلاق) کا ذکر ہے جس کے بعد رجوع کا حق ختم ہو جاتا ہے اور امام شافعی اور ابن حزم رحمہما اللہ نے جو کہا ہے اس کا ہرگز اس آیت میں ذکر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن حزم کی کتاب المحلی کے محقق فضیلۃ الشیخ عبدالغفار بن سلیمان بنداری نے المحلی کی تعلیق وحاشیے میں ابن حزم کے اس موقف کی تردید کردی ہے۔ اور ان کی اس رائے کو ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ (دیکھیے المحلّی بالآثار: ۹/۳۹۵، حاشیہ نمبر:۱)

﴿مَرَّتَانِ﴾ کا مطلب:

قرآنِ مجید کی بعض دیگر آیات میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں یہ وقفے اور مہلت کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً:

منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ﴾ [التوبة: ۱۰۱]

''عنقریب ہم ان کو دو بار عذاب دیں گے۔''

تفسیر عثمانی حنفی میں یہ احتمال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک بار سے قبر کا عذاب اور دوسری بار سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ اور آیت نمبر ۱۲۶ میں بھی ﴿مَـرَّتَيۡنِ﴾ کا لفظ ہے جس سے وقفہ اور مہلت ہی

مراد ہے۔

اور اسی طرح سورت بنی اسرائیل میں ہے:

﴿لَتُفسِدُنَّ فِی الاَرضِ مَرَّتَینِ﴾ [بني إسرائيل: ٤]

''تم (بنی اسرائیل) زمین میں دوبار ضرور فساد کرو گے۔''

صاحب رقعہ کو اگر اس میں بال برابر بھی شک ہو تو وہ سورۂ اسراء کی آیت نمبر ۴ تا ۷ پڑھ کر دیکھ لے اور ساتھ تفسیر عثمانی بھی دیکھ لے۔

الحمدللہ، ہماری اس تقریر سے صاحب رقعہ کی اس بات کا خوب ردّ ہو گیا ہے جو انھوں نے کہی ہے ﴿فَاِن طَلَّقَھَا﴾ میں حرفِ فَاء ہے جو کہ اس جگہ فاء تعقیب بلامہلہ آیا ہے۔ ﴿فَاِن طَلَّقَھَا﴾ میں فاء تعقیبیہ بلامُہلَہ و وقفہ قطعاً نہیں ہے۔

میں مزید کہتا ہوں کہ اس جگہ فاء کو برائے تعقیب بلامُہلہ اور بلاوقفہ قرار دینا بالکل غلط ہے اور بالکل بے محل ہے کیونکہ جب ثابت ہو گیا اور حنفی ترجمے کے مطابق ثابت ہو گیا کہ اس آیت کریمہ میں رجعی طلاقوں کا ذکر ہے نہ کہ بہ یک وقت دی گئی طلاقوں کا۔ تو ظاہر ہے کہ رجعی طلاق میں مہلت بھی ہوتی ہے اور رجوع کا حق بھی ہوتا ہے۔ اگر رجوع نہ بھی کرے تو عورت عدت گزار کر بائنہ ہو جاتی ہے۔ پھر پہلی طلاق رجعی اور دوسری طلاق بھی رجعی اور پھر خلع کا ذکر ہے، اتنے وقفے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاِن طَلَّقَھَا﴾ فرمایا ہے اور اس میں جب اتنا وقفہ ہے تو یہ فاء تعقیب بلاوقفہ کے لیے ہرگز نہیں ہو سکتی۔

دیکھیے! اگر اس جگہ کوئی فاء تعقیب کے لیے ہونی ہوتی تو اس سے قبل ﴿فَاِمسَاكٌ بِمَعرُوفٍ﴾ والی فاء تعقیب کے لیے ہونا تھا حالانکہ یہ بھی تعقیب کے لیے نہیں ہے کیونکہ اگر یہ تعقیب بلامہلت کے لیے ہوتا تو طلاق کے بعد یا تو فوراً رجوع کرنا ضروری ہونا تھا یا پھر فوراً اسے چھوڑنا ضروری ہونا تھا حالانکہ ہمارے علم کے مطابق اس کی نہ ہی کوئی دلیل ہے اور نہ ہی اس کا کوئی قائل ہے۔

صاحب رقعہ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے شیخ محمود الحسن دیوبندی صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن میں اس فاء کا ترجمہ فاء تعقیبیہ بلامہلت والا نہیں کیا بلکہ انھوں نے اس کا ترجمہ مہلت والا کیا ہے، ملاحظہ کیجیے:

﴿فَاِن طَلَّقَھَا﴾ ''پھر اگر اس عورت کو طلاق دی، یعنی تیسری بار'' ﴿فَلَا تَحِلُّ لَه مِن بَعدُ﴾ ''تو اب حلال نہیں وہ اس کو۔''

اور اہل حدیث عالم دین حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی صاحب نے بھی اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''پھر اگر وہ اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی''۔

اور بریلوی نظریہ رکھنے والوں کے نزدیک سب سے معتبر ترجمہ قرآن ان کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب کا کنز الایمان ہے، اس میں بھی اس فاء کا ترجمہ ''پھر'' ہی لکھا ہوا ہے، چنانچہ پڑھیے، وہ ترجمہ کرتے ہیں:

''پھر اگر تیسری طلاق اسے دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔''

کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اس میں دوبار فاء آیا ہے: ۱۔ ﴿فَاِن طَلَّقَھَا﴾ ۲۔ ﴿فَلَا تَحِلُّ﴾ پہلے فاء کا تینوں مترجموں نے ترجمہ ''پھر'' کیا ہے، جو لفظِ ''ثُمَّ'' کا ترجمہ ہوتا ہے۔ اور اہل لغت عربی جانتے ہیں کہ ''ثُمَّ'' وقفہ و مہلت کے لیے آتا ہے۔

اور ﴿فَلَا تَحِلُّ﴾ میں ان تینوں مترجموں نے فاء کا ترجمہ ''تو'' کیا ہے اور ''تو'' تعقیب کی فاء کا ترجمہ ہوتا ہے، اس میں مہلت و وقفہ نہیں ہوتا۔ یعنی تیسری طلاق دیتے ہی بغیر کسی وقفے اور مہلت کے وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ امید ہے کہ صاحبِ رقعہ جناب فیصل صاحب اب اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے اور اس کی روشنی میں خود فیصلہ کریں گے۔ إن شاء الله العزيز

قرآنِ پاک میں ہر جگہ فاء برائے تعقیب (بلامہلت و وقفہ) نہیں ہوتا بلکہ کئی ایک مقامات ایسے موجود ہیں کہ وہاں فاء کا استعمال تعقیب کے لیے نہیں ہے بلکہ مہلت و وقفے کے لیے ہے، یعنی اس کے مابعد کا اس کے ماقبل سے وقت اور زمانے کے اعتبار سے کافی

فاصلہ ہے، چنانچہ قرآن میں ہے:
﴿أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزقاً لَّكُمْ﴾ [البقرة: ٢٢]
اور اس (اللہ) نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا، پھر اس (اللہ) نے اس (پانی) کے ذریعے تمھارے لیے پھلوں سے رزق نکالے۔''
اب ہر عقل وفہم رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ بارش ہونے کے فوراً بعد انگوریاں نہیں اُگتیں اور نہ ہی پھل دار درختوں کو اسی وقت پھل لگ جاتا ہے بلکہ اس میں کچھ ایام یا مہینوں کا وقفہ ہوتا ہے، پھر کہیں جا کر انسان کو نئے پھلوں اور نئی ترکاریوں کا رزق حاصل ہوتا ہے۔

صاحب رقعہ جناب فیصل صاحب کی دلیل نمبر۲ کا جواب:

صاحب رقعہ جناب فیصل صاحب نے لعان والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نافذ کردیں۔ (أبوداود: ۱/ ۳۰۶)

جواب:

اس کے جواب کے لیے تو اُتنا ہی کافی ہے جو احناف کے بڑے علامہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں کہا ہے اور وہ یہ ہے:
''جب فرقت (یعنی خاوند بیوی کے درمیان جدائی) نفسِ لعان ہی سے ہوگئی جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے تو عویمر رضی اللہ عنہ نے طلاق جو دی تھی وہ غیر موقع ومحل میں دی تھی (یعنی لعان ہی سے جدائی ہو جاتی ہے، طلاق دینے کی ضرورت نہیں رہتی) لہٰذا اِس سے طلاق بے فائدہ ہوگئی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر رضی اللہ عنہ کی طلاق کو کالعدم سمجھا، لہٰذا اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی سے اس کا جائز ہونا ثابت نہیں ہوسکتا کیوں کہ اگر طلاق اپنے موقع ومحل میں واقع ہوتی، پھر آپ خاموش رہتے تو طلاق ثلاثہ کا جواز ثابت ہوسکتا تھا لیکن جب عویمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل عبث تھا اور ان کا یہ طلاق دینا کالعدم تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خاموشی ہی فرمالی۔'' (فيض الباري: ٤/ ٣١٢)

میں کہتا ہوں: ایک طرف تو حنفی دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا بدعت ونافرمانی ہے، دوسری طرف صاحب رقعہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اکٹھی تین طلاقیں دی تھیں اور اس سے اکٹھی تین طلاقیں دینے اور پھر ان کو تین ہی شمار کرنے پر استدلال کررہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں: اگر صحابی نے یہ طلاقیں بے موقع نہ دی ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اسے بدعت ونافرمانی کے کام سے منع فرماتے۔ اگر صحابی کا اس وقت طلاقیں دینا یا نہ دینا برابر نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور ہی منع فرماتے کیونکہ اس وقت یہ بدعت ومعصیت کا کام ہونا تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس بدعت ومعصیت کا کام ہونے پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔

اگر صاحب رقعہ فیصل صاحب ان طلاقوں کو مؤثر سمجھتے ہیں اور ان کے بغیر صرف لعان سے خاوند بیوی کے درمیان جدائی تسلیم نہیں کرتے تو اس سے لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بدعت ونافرمانی کا کام کیا گیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا حالانکہ نسائی کی محمود بن لبید والی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکٹھی تین طلاقیں دینے پر غضب ناک ہوگئے تھے اور اسے کتاب اللہ کے ساتھ کھیل اور مذاق قرار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ احناف کے ایک بہت بڑے مفسر علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) اپنی مشہور تفسیر (روح المعانی) میں شافعیوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''ان شافعیوں نے اکٹھی تین طلاقیں دینے اور پھر تینوں کو نافذ کرنے کے متعلق عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے قصے سے استدلال کیا ہے جو محل نظر ہے۔''
مزید فرماتے ہیں:
"قال ساداتنا الحنفية: إن الجمع بين التطليقتين والثلاث بدعة وإنما السنة

التفريق . "

(روح المعاني، ج: ١٣٦/٢، سطر: ١٩)

''ہمارے حنفی فقہاء جن کی اطاعت کی جاتی ہے، انھوں نے کہا ہے کہ دو یا تین اکٹھی طلاقیں دے دینا بدعت ہے، اور علاحدہ علاحدہ طلاق دینا ہی سنت ہے۔''

ہم کہتے ہیں: اگر صاحب رقعہ جناب فیصل صاحب امام شافعی رحمہ اللہ کی غلطی کی تقلید کرتے ہوئے اسی بات پر مصر ہیں کہ عویمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال درست ہے تو وہ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میری تقلید نہ کیا کرو۔

(الأم للشافعي، ص: ١، مختصر المزني، ص: ١)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اسی کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جن کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول موافقت نہیں کرتا، جیسا کہ انھوں نے اس کا ذکر فتح الباری (۴/۱۰-۱۱، تحت رقم الحدیث: ۸۰۱۰، طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی) میں کیا ہے۔

اگر صاحب رقعہ فیصل صاحب یہ کہیں کہ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''فأنفذه رسول الله ﷺ . '' ''آپ ﷺ نے اس کو نافذ کر دیا۔'' جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے طلاقوں کو نافذ کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں وارد ''ہ'' مذکر کی ضمیر لفظ ''ثلاث تطليقات'' کی طرف نہیں لوٹ رہی بلکہ لِعان کی طرف لوٹ رہی ہے کیوں کہ یہ دونوں مذکر ہی ہیں۔ اگر یہ ضمیر ''ثلاث تطلیقات'' ''تین طلاقوں'' کی طرف لوٹتی تو یہ ضمیر ''ھا'' مؤنث کی ہوتی کیونکہ لفظ ''ثلاث تطليقات'' مؤنث ہے جب کہ لفظ لعان مذکر ہے اور اس کی طرف ''ہ''، ضمیر مذکر کی لوٹ رہی ہے اور لعان ''لَاعَنَ'' سے ماخوذ ہے جو ضمناً مذکور ہے۔ اور اسی کے متعلق نبی ﷺ نے عویمر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا:

((لا سبيل لك عليها .))

''تیرے لیے اس پر کوئی راستہ نہیں ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

"لا ملك لك عليها فلا يقع طلاقك ، وهذا دليل على أن الفرقة تحصل بنفس اللعان . "

(شرح صحيح مسلم للنووي: ٤٨٩/١ درسی نسخہ)

یعنی تیرے لیے اس عورت پر کوئی اختیار نہیں رہا، لہٰذا تیری طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ محض لعان ہی سے زوجین کے درمیان فرقت (جدائی) ہو جاتی ہے۔

علامہ حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابو بکر المعروف بہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک عویمر رضی اللہ عنہ کا طلاق دینا بہ طورِ تاکید تھا نہ کہ بہ طور تاسیس وانشاء، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''عویمر رضی اللہ عنہ کے لعان کے بعد اکٹھی تین طلاقیں دینے سے صرف تاکید ہی ان کا مقصود تھا، یعنی عویمر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان لعان کی وجہ سے جو فرقت (جدائی) ہو چکی تھی اس جدائی کو مزید پختہ کرنا مقصد تھا کیونکہ لعان ہی کی وجہ سے لعان کرنے والے شخص پر اس کی عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے تو اب اس موقع پر طلاق دینا (خواہ تین ہی کیوں نہ ہوں) لعان والی عورت کو اپنے نفس پر حرام کرنے میں مزید تاکید ہی پیدا کرتا ہے، گویا اس (طلاق دینے والے) نے یہ کہہ دیا ہے کہ اب لعان سے جدا ہونے والی یہ عورت اس لعان کے بعد میرے لیے کبھی بھی حلال نہیں ہوگی۔

باقی رہا نبی ﷺ کا اس کو نافذ کرنا تو اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی عورت کو اس پر حرام کرنے والے سبب (لعان) کو ہی پختہ اور مضبوط کیا ہے کیونکہ جب وہ عورت لعان کی وجہ سے اس شخص کے لیے کبھی بھی حلال نہیں رہے گی تو لعان کی وجہ سے وہ عورت جو اس پر حرام ہو چکی ہے تو اسے اس وقت اکٹھی تین طلاقیں دے دینا اسی حرام کرنے کی ہی تاکید ہوگی، رسول اللہ ﷺ کے اسے نافذ کرنے کا یہی مطلب ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اس

کے اکٹھی تین طلاقیں دینے پر انکار نہیں کیا اور اسے اس پر برقرار رکھا تو اسی کو آپ ﷺ کی طرف سے نافذ کرنا قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سہل رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے عویمر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا: ((وقع طلاقك)) ''تیری طلاق واقع ہو چکی ہے۔'' سہل رضی اللہ عنہ نے تو اس عویمر رضی اللہ عنہ والے قصے کا مشاہدہ کیا تھا اور یہ دیکھا تھا کہ آپ ﷺ نے اس کے طلاق دینے کا انکار نہیں کیا تو انھوں نے اسی کو نافذ کرنا سمجھ لیا۔''

(زاد المعاد، ص: ۳۹۰)

ہم مزید کہتے ہیں کہ لعان کی صورت میں طلاق کی وجہ سے جدائی نہیں ہوتی ورنہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ لعان کے بعد جب تک طلاق نہ دی جائے اس وقت تک وہ عورت اس سے جدا نہیں ہو سکتی، حالانکہ اصل مسئلہ ایسے نہیں ہے، کیوں کہ لعان کے بعد طلاق دینا ائمہ اربعہ: مالک، ابو حنیفہ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ میں سے کسی کے نزدیک بھی شرط نہیں ہے۔

۱: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جب خاوند اپنی شہادتیں مکمل کر لیتا ہے تو اس کی عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔

۲: امام مالک کے نزدیک خاوند اور اس کی بیوی دونوں اپنی اپنی شہادتیں مکمل دے دیں تو اس وقت ان دونوں کے درمیان از خود ہی جدائی ہو جائے گی، خواہ حاکم ان کے درمیان تفریق نہ بھی کرائے، وہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے۔

۳: امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان کی شہادتوں کے بعد اس وقت تک ان کے درمیان جدائی نہیں ہو گی جب تک کہ حاکم انھیں جدا نہیں کرے گا، دیکھیے تفسیر اللباب في علوم الكتاب (۱۴/۳۰۶) نیز عام کتبِ فقہ، تفسیر اور شروحِ حدیث

۴: اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی خاوند اور بیوی دونوں جب شہادتیں دے دیں گے تو ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ اور اہل ظاہر کا بھی یہی مذہب ہے۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام، باب اللعان، شرح حدیث: ۱، المسئلة الثالثة)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لعان مکمل ہونے کے بعد فرقت (جدائی) تو ہو ہی جاتی ہے، خواہ احناف کے قول کے مطابق حاکم کے جدائی کرانے سے ہی ہو۔ تو اگر کوئی شخص فرقت کے بعد طلاق دے گا تو یہ طلاق لعان سے واقع ہونے والی جدائی کی تاکید ہی ہو گی کیونکہ اگر اس طلاق کا کوئی اثر ہوتا اور اس کے بغیر جدائی نہ ہوتی تو پھر طلاق دینا ضروری ہوتا حالانکہ لعان کے بعد طلاق دینا ضروری نہیں ہے۔

اس کی مثال اس طرح سمجھ لیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو بہ یک وقت چھ طلاقیں دے دیتا ہے تو حنفی مذہب میں پہلی تین طلاقوں سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، باقی تین طلاقیں یا تو لغو ہوں گی یا پہلی تینوں کی تاکید ہوں گی حالانکہ پہلی تین طلاقوں سے ابدی حرمت ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ احناف کے نزدیک یہ عورت حلالہ سے پھر اسی مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔ لیکن لعان سے یا حاکم اور قاضی کے ان دونوں کے درمیان تفریق کرانے کے بعد وہ عورت سب کے نزدیک اس شخص پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ تو جس طرح ان کے نزدیک تین طلاقوں کے بعد طلاق دینا لغو یا تاکید ہو جاتی ہے تو لعان جو ابدی جدائی کا سبب ہے، کے بعد طلاق لغو یا تاکید کیوں نہیں ہو سکتی! اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ تو لعان کے بعد والی طلاق کو کالعدم کہتے ہیں جیسا کہ انور شاہ کشمیری صاحب نے فیض الباری میں ان کا یہ مذہب نقل کیا ہے، جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔

اسی طرح حنفیوں کے بعض مفتیوں (مثلاً: مفتی کفایت اللہ صاحب وغیرہ) کا فتویٰ موجود ہے کہ اگر کسی شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دی ہوں اور بعد والی دو طلاقیں اس نے نئی نہ دی ہوں بلکہ پہلی طلاق کی تاکید ہی کے طور پر دی ہوں تو بعد والی دو طلاقیں غیر مؤثر ہی ہوں گی، وہ صرف پہلی طلاق کی تاکید ہی سمجھی جائیں گی۔ یہ پہلی طلاق چونکہ رجعی طلاق ہوتی ہے، اس کے بعد زوجین کے درمیان فوراً فرقت (جدائی) واقع نہیں ہوتی۔

(دیکھیے فتاوی ثنائیہ: ۲/۲۶۰)

اس سے معلوم ہوا کہ خواہ نفس لعان ہی سے زوجین کے درمیان جدائی ہوجائے جیسا کہ جمہور اہل علم کا موقف ہے یا قاضی کی تفریق سے جدائی ہو، ان دونوں صورتوں میں جو بھی صورت اختیار کرلی جائے دونوں کے درمیان جدائی کے لیے طلاق دینا لازمی نہیں ہے۔ اگر کوئی طلاق دے گا تو وہ محض تاکید ہوگی، نہ کہ اسی کے ذریعے مستقل تفریق ہوگی۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحیح مسلم میں لعان کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ قول موجود ہے:

((ذلكم التفريق بين كل متلاعنين .))

''یہ لعان ہی دو آپس میں لعان کرنے والے (خاوند اور بیوی) کے درمیان جدائی کرانا ہے۔''

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ لعان والی روایت سے یک بارگی تین طلاقوں کا تین ہی واقع ہوجانا ثابت نہیں ہوتا۔

صاحب رقعہ فیصل صاحب کی پیش کردہ دلیل نمبر۳ کا جواب:

صاحب رقعہ نے اس میں سنن دار قطنی اور سنن بیہقی سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں، پھر انھوں نے کہا تھا:

''اگر میرے نانا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہ فرمایا ہوتا ''اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی ہی دے دیتا ہے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوتی تا وقت کہ وہ کسی اور مرد سے شادی نہ کرلے'' تو میں ضرور اس سے رجوع کرلیتا۔''

(سنن دار قطني: ٣/ ٣٠، بيهقي: ٧/ ٣٣٦)

جواب:

ہم پہلے اس کی سند لکھتے ہیں تاکہ اس کی استنادی حیثیت واضح ہوجائے کیونکہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

"الإسناد من الدين لولا الإسناد لقال من شاء ما شاء." (مقدمه صحيح مسلم، ص: ١٢)

''سند بیان کرنا دین سے ہے، اگر سند بیان کرنا نہ ہوتا تو جو شخص جو کچھ کہنا چاہتا تو وہ کہہ دیتا۔''

چنانچہ دارقطنی میں اس کی سند اس طرح لکھی ہے:

"حدثنا (١) أحمد بن محمد بن زياد القطان، حدثنا (٢) إبراهيم بن محمد، حدثنا (٣) إبراهيم بن محمد بن الهيثم صاحب الطعام، حدثنا (٤) محمد بن حميد، حدثنا (٥) سلمة بن الفضل عن (٦) عمرو بن أبي قيس عن (٧) إبراهيم بن عبد الأعلى عن (٨) سُوَيد بن غفلة ...... إلخ."

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس سند میں آٹھ راوی ہیں، راوی نمبر۴ محمد بن حمید کے بارے میں فقہ حنفی کے پرچارک امین اوکاڑوی صاحب کہتے ہیں:

''رہا محمد بن حمید رازی تو امام بخاری، نسائی، یعقوب بن ابی شیبہ، جوزجانی، ابوزرعہ، ابن خراش اور ابونعیم نے اس کی تضعیف کی ہے۔ ابن خزیمہ سے ابوعلی نے کہا: آپ محمد بن حمید سے روایت کیوں نہیں لیتے حالانکہ امام احمد ان سے روایت لیتے تھے؟ آپ نے فرمایا: امام احمد پر اس کا وہ حال نہ کھلا تھا جو ہم پر کھلا، اگر امام احمد بن حنبل ان حالات سے باخبر ہوتے تو ہرگز اسے اچھا نہ سمجھتے۔ محدث اسحاق کوسج کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن حمید کذاب تھا۔ صالح بن محمد اسدی کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب تھا۔'' (تهذيب التهذيب: ٩/ ١٢٩، ميزان الاعتدال: ٣/ ٥٣٠، تجلیات صفدر: ۳/۲۲۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)

امام ابوزرعہ نے کہا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ اور محدث صالح جزرہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"ما رأيت أحذق منه بالكذب ومن الشاذكوني." (المغني في الضعفاء للذهبي: ٢/ ٥٧٣)

''میں نے محمد بن حمید رازی اور سلیمان شاذکونی سے بڑھ کر

جھوٹ بولنے میں ہوشیار کسی اور کو نہیں دیکھا۔“

اسی طرح دیوبندیوں کے ایک مفتی جمیل نذیری حنفی نے بھی محمد بن حمید رازی پر کافی جرح نقل کی ہے، دیکھیے ان کی کتاب ”رسول اکرم ﷺ کا طریقۂ نماز“، ص: ۳۰۔

اس راوی پر اور بھی جرح ہے جو اسماء الرجال کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے، ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس کی سند میں ایک راوی سلمہ بن فضل بھی ہے جس پر ہم نے نمبر ۵ لگایا ہے جو محمد بن حمید کا استاد ہے، اس پر بھی بعض علمائے حدیث نے جرح کی ہے۔ (دیکھیے میزان الاعتدال: ۱۹۲/۲)

دارقطنی (۳۱/۴) میں اس کی ایک اور سند ہے لیکن اس میں ایک راوی عمرو بن شمر جعفی کوفی شیعی ہے، اس پر سخت جرح کی گئی ہے، چنانچہ امام جوزجانی نے اسے زائغ (گمراہی اختیار کرکے منحرف ہونے والا) اور کذاب قرار دیا ہے۔ امام ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ رافضی تھا، صحابہ کو سب وشتم کیا کرتا تھا اور ثقہ راویوں سے موضوع (من گھڑت) روایات بیان کیا کرتا تھا (یعنی ان کے نام تھوپ دیا کرتا تھا اور خود بناتا تھا)۔ امام بخاری نے اسے ”منکر الحدیث“ کہا ہے۔ اور یحییٰ نے کہا ہے کہ وہ کوئی شے نہیں، اس کی حدیث لکھی ہی نہ جائے۔ امام نسائی اور دارقطنی نے اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (دیکھیے میزان الاعتدال: ۲۶۷/۳، ۲۶۸)

اس سے معلوم ہوا کہ امام دارقطنی خود بھی عمرو بن شمر کی اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے۔

پھر آپ ایک اور زاویے سے ذرا سوچیے کہ حنفی مذہب اور فقہ کی روشنی میں اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے، بدعت ہے اور معصیت (نافرمانی) ہے، چنانچہ ”ہدایہ“ میں لکھا ہوا ہے: ”وكان عاصيا.“ یعنی اکٹھی تین طلاقیں دینے والا عاصي (اللہ کا نافرمان) ہوگا۔

(كتاب الطلاق: باب الطلاق السنة)

بلکہ اکٹھی دو طلاقیں دینا بھی بدعت لکھا ہوا ہے، چنانچہ ”ہدایہ“ کے الفاظ ہیں:

”وكذا إيقاع الثنتين في الطهر الواحد بدعة.“

”یعنی ایک ہی طہر میں دو طلاقیں واقع کردینا بھی اسی طرح بدعت ہے۔“

اور اکٹھی تین طلاقیں دینے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ طلاق بدعت ہے، ”ہدایہ“ کے الفاظ ہیں:

”وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة.“

”طلاقِ بدعت یہ ہے کہ عورت کو تین طلاقیں ایک ہی لفظ کے ساتھ دے دے۔“

آپ دور نہ جائیے، اپنے مناظر امین اوکاڑوی صاحب کا قول ہی پڑھ کر دیکھ لیجیے، وہ لکھتے ہیں:

”حضرات! قرآن وسنت آپ کے سامنے ہے۔ اکٹھی تین طلاقیں دینے والا حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ظالم ہے، آیات اللہ سے استہزا کرنے والا، اللہ اور رسول (ﷺ) اس سے سخت ناراض ہیں۔“ (تجلیاتِ صفدر: ۳/۴-۶)

میں کہتا ہوں: محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دے دی ہیں، آپ ﷺ غضب ناک ہوکر فرمانے لگے:

”میری زندگی میں ہی اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جانے لگا ہے!“ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوکر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے شخص کو میں قتل نہ کردوں؟“

(سنن نسائي، السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳۳۳/۷)

اب جناب فیصل صاحب خود ہی سوچیں کہ کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایسا کام کرسکتے تھے؟ نیز یہ بھی سوچیے کہ ان کے مناظر اوکاڑوی صاحب کا فتویٰ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر لگ رہا ہے کہ نہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے اور اسے قبول کرکے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

والحمد لله رب العالمين وصلى الله على نبيه محمد وعلى آله وأزواجه وأصحابه أجمعين.

تذکرہ علمائے اہل حدیث

مولانا پروفیسر محمد ابراہیم خادم قصوری رحمہ اللہ

محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

مارچ ۱۹۹۲ء کی بات ہے۔ رمضان المبارک کا پُر رحمت مہینا سایہ فگن تھا۔ انھی دنوں جامع مسجد محمدی اہل حدیث (نثار کالونی، فیصل آباد) میں عظمتِ قرآن کانفرنس منعقد ہوئی جو رات گئے تک جاری رہی۔ ان دنوں اس مسجد کے خطیب حضرت مولانا حکیم ثناء اللہ ثاقب صاحب تھے جن سے ہمارے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ کانفرنس کے اختتام پر میں اپنے دوست حافظ قاری احمد نواز صابر (آف بھکر) کے ہمراہ محمدی مسجد کے مرکزی دروازے پر کھڑا تھا کہ ہمارے سامنے ایک کار آ کر رکی اور اس میں سے تین آدمی باہر نکلے۔ ایک صاحب جو اپنی وضع قطع اور بودوباش سے کوئی اونچی ہستی معلوم ہوتے تھے، ہماری جانب بڑھے۔ درمیانہ قد، خوب صورت نقش، چھدری داڑھی جو سیاہ بالوں کا مجموعہ، چمکتی روشن آنکھیں، سر پر قراقلی ٹوپی، اعتدال کے سانچے میں ڈھلا ہوا جسم اور شلوار قمیص زیب تن۔ انھوں نے السلام علیکم کہہ کر ہاتھ مصافحے کے لیے ہماری جانب بڑھا دیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے بولے: محمد ابراہیم خادم قصوری۔

ان کے نام اور خطابت کے چرچے میں نے سن رکھے تھے اور بالمشافہ ان سے میری یہ پہلی ملاقات تھی۔ ہم نے ان کو اور ان کے رفقاء کو مسجد میں بٹھایا۔ ان کے پوچھنے پر میں نے بتایا کہ جماعت غرباء اہل حدیث اور مولانا امام عبدالرحمٰن سلفی صاحب سے تعلق اور محبت رکھتا ہوں، لکھنے پڑھنے کا بھی کچھ شوق اور ذوق ہے۔ جماعتی رسائل بالخصوص صحیفہ اہل حدیث (کراچی) اور ترجمان السنہ (لاہور) میں میرے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس پر علامہ خادم صاحب فرمانے لگے: میں بھی پانچ سال محمدی مسجد (بنس روڈ، کراچی) میں پڑھا ہوں، اس کا مطلب ہے کہ تمھارا اور ہمارا ''پیر خانہ'' ایک ہی ہے۔ یہ ایک مختصر سی مجلس تھی جس میں ان سے یہ باتیں ہوئیں۔ نماز فجر کے بعد انھوں نے درس قرآن ارشاد فرمایا اور حدیث نبوی ﷺ ((لسان ذاکر وقلب شاکر وبدن علی البلاء صابر وزوجة صالحة)) کی تشریح اس اسلوب میں بیان کی کہ سچی بات ہے اس وقت ان کی خطابت جوبن پر تھی۔ جب وہ قرآنی آیات پڑھتے، احادیث رسول ﷺ سناتے تو فضا سبحان اللہ کی دل نواز صداؤں سے گونج اٹھتی۔ ایک گھنٹہ انھوں نے قرآن وحدیث کے جواہر پاروں سے سامعین کے دامن خوب بھرے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان کا وعظ سنا۔ جیسا ان کے بارے سنا تھا ویسا ہی ان کو پایا۔ اس کے بعد ان سے میل ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا جو ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے تک قائم رہا۔ علامہ صاحب جہاں بھی ملے جب بھی ملے نہایت محبت وتکریم سے ملے۔

جامع القدس اہل حدیث (چوک دالگراں، لاہور) جامع مسجد اہل حدیث (نہر بازار، سمندری) اور فیصل آباد میں علامہ خادم صاحب سے یادگار ملاقاتیں رہی ہیں اور بعض مرکزی سالانہ کانفرنسوں میں ان کا خطاب بھی سننے کا موقع ملا۔

ستمبر ۱۹۹۶ء میں سمندری کی سالانہ اہل حدیث کانفرنس میں گول بازار سے دور تک فرزندانِ توحید کا ہزاروں کا اجتماع تھا۔ علامہ خادم صاحب نے سیرت النبی ﷺ پر خطاب شروع کیا۔ جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت ووحدانیت اور نبی اکرم ﷺ کی مدحت میں اپنی تیار کردہ مخصوص گردانیں پڑھنا شروع کیں تو سامعین وفورِ محبت سے جھوم اٹھے۔ خطیبانہ لہجے اور پرسوز آواز میں انھوں نے لوگوں کو خوب محظوظ کیا۔

نومبر ۲۰۰۱ء میں ہمارے بزرگ دوست ڈاکٹر عبدالواحد نومسلم کی دعوت پر فیصل آباد تشریف لائے اور محمدی مسجد اہل حدیث (نثار کالونی) میں اڑھائی گھنٹے تاثیر قرآن پر ایمان افروز وعظ فرمایا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے ؏ بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں

۱۴؍اگست ۲۰۰۱ء کو علامہ خادم صاحب استحکام پاکستان کانفرنس میں شرکت کے لیے فیصل آباد تشریف لائے اور آپ نے بہت بڑے اجتماع کو اپنی خطابت سے مسحور کیا۔ راقم بعد میں ان کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوا تو بڑے مسرت آمیز انداز میں ملے اور اپنی کتاب ''مقالات خادم قصوری'' اپنے دستخط کے ساتھ عنایت فرمائی۔

۲۹؍مئی ۲۰۱۰ء کو آپ فیصل آباد آئے اور شرفِ ملاقات سے مستفید فرمایا اور جاتے ہوئے اپنی کتاب ''کنز مکہ'' تحفتاً دی۔

بلاشبہ علامہ خادم قصوری دور حاضر کے بلند پایہ خطیب، سیاست دان اور عالم دین تھے۔ وہ پیار و محبت کی زبان میں بات کرتے اور فرقہ پرستی سے ہٹ کر لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دیتے تھے۔ توحید وسنت کا پرچار اور اتحاد امت ان کا مشن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ علمی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تفسیر قرآن اور علوم الحدیث سے پوری آگاہی رکھتے تھے۔ اردو، عربی، فارسی زبان سے آشنا اور انگریزی کے بھی رمز شناس تھے۔ مختلف شعراء کا اردو، عربی، پنجابی اور فارسی کلام انھیں ازبر تھا۔ جو کچھ انھوں نے پڑھا وہ انھیں مستحضر تھا۔ علم وادب اور دین سے انھیں حد درجہ شیفتگی تھی۔ آئندہ سطور میں ہم ان کی تبلیغی و تصنیفی، جماعتی اور سیاسی خدمات پر کچھ عرض کریں گے۔

علامہ محمد ابراہیم خادم قصوری ۹؍مئی ۱۹۵۶ء کو کوٹ رادھا کشن کے نواحی قصبہ موضع بت ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام میاں رسول خاں میواتی ہے جو نیک طینت انسان تھے۔ جب کہ والدہ کا نام رحمت بی بی تھا جو دینی تعلیم سے بہرہ ور تھیں۔ وہ نہایت عابدہ، زاہدہ اور صالحہ خاتون تھیں۔ انھوں نے دینی تعلیم دہلی کے مدرسہ للبنات صدر بازار سے حاصل کی تھی۔ یہ مدرسہ جماعت غرباء اہل حدیث کے بانی مولانا عبدالوہاب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے قائم کیا تھا۔ اس میں بنات الاسلام کو ترجمۃ القرآن اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔ علامہ خادم قصوری نے ابتدا میں اپنی والدہ محترمہ سے قرآنِ مجید ناظرہ پڑھا۔ گاؤں کے سکول میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ دینی تعلیم کے حصول کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے آپ جامعہ قدوسیہ المعروف دارالحدیث محمدیہ (کوٹ رادھا کشن) پہنچے۔ یہ مدرسہ مولانا عبدالقدوس گوڑ گانوی مرحوم نے قائم کیا تھا۔ یہاں تین سال میں آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ اس کے بعد ایک سال مدرسہ محمدیہ (رینالہ خورد) میں مولانا حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی مرحوم اور مولانا حافظ عزیز الرحمان لکھوی سے اکتسابِ علم کیا۔ اسی دور میں جماعت غرباء اہل حدیث کے امام ثالث مولانا حافظ عبدالغفار سلفی رحمہ اللہ علماء کے ہمراہ پنجاب کے دورے پر آئے۔ وہ کوٹ رادھا کشن اور اس کے گرد ونواح میں بھی گئے اور جماعتی احباب سے ملے۔ انھوں نے تقریریں بھی کیں۔ ایک تبلیغی جلسے میں طالب علم محمد ابراہیم نے نظم پڑھی۔ مولانا عبدالغفار سلفی صاحب نے اس کی ذہانت اور علمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اسے اپنے مدرسے عربیہ اسلامیہ دارالسلام محمدی مسجد (بنس روڈ، کراچی) میں تعلیم حاصل کرنے کی دعوت دی، چنانچہ دینی مدارس میں جب تعلیمی سال شروع ہوا تو مولانا خادم صاحب اپنے پیارے والدین کی تمام محبتوں کو چھوڑ کر کراچی چلے گئے اور محمدی مسجد میں قائم مدرسہ عربیہ سلامیہ دارالسلام میں پانچ سال زیرِ تعلیم رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ انھوں نے جن اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا ان کے نام یہ ہیں: مولانا عبدالجلیل خاں جھنگوی، مولانا امام عبدالغفار سلفی، مولانا مفتی عبدالقہار سلفی، مولانا محمد یونس دہلوی، مولانا محمد سلیمان جوناگڑھی، مولانا قاری عبدالحکم کرم الجلیلی اور مولانا عبدالرحمان سلفی (امیر جماعت غرباء اہل حدیث۔)

علامہ ابراہیم خادم صاحب نے کراچی بورڈ سے فاضل عربی اور میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ لاہور بورڈ سے او۔ ٹی اور اے۔ ٹی اور ایف۔ اے کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی اور بہاول پور یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات کیا۔ علامہ ابراہیم خادم قصوری زمانۂ طالب علمی ہی سے وعظ وخطابت کے میدان میں سرگرم تھے۔ انھوں نے مطالعہ، محنت اور لگن سے خطابت کے رموز واَسرار سے آگاہی حاصل کرلی اور ان کا شمار جماعت کے معروف خطباء میں ہونے لگا تھا۔ بلاشبہ علامہ خادم کا شمار جماعت کے بلند آہنگ اور خوش گفتار خطباء میں ہوتا تھا۔ وہ اپنی خطابت کے جوہر سے منتشر اور بپھرے مجمعے کو قابو کرنا جانتے تھے۔ علامہ صاحب مستقل طور پر اپنے قائم کردہ جامعہ ابراہیمیہ (منڈی کنگن پور، ضلع قصور) میں خطبہ جمعۃ المبارک دے رہے تھے۔ انھیں سننے کے لیے بلاتفریق مسلک تمام مکاتب فکر کے لوگ جوق در جوق

آتے۔ علاوہ ازیں علامہ ابراہیم خادم صاحب کراچی پانچ سال، لاہور ایک سال، گوجرانوالا دو سال، ڈسکہ کلاں (ضلع سیالکوٹ) دو سال اور جامع مسجد فریدیہ اہل حدیث (قصور) میں عرصہ دراز تک خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کے خطابات کے چند معروف عنوانات یہ تھے: ہجرت مصطفیٰ، شان ابوبکر صدیق، شان حضرت عمر فاروق، توحید باری تعالیٰ، ولادت مصطفیٰ، جمال مصطفیٰ، کمالِ مصطفیٰ، معراج مصطفیٰ، معجزات مصطفیٰ، ابتلائے مصطفیٰ، دختران مصطفیٰ، ذکر مصطفیٰ، مدینہ مصطفیٰ، خوشبوئے مصطفیٰ، درود مصطفیٰ، حوض مصطفیٰ، اخلاق مصطفیٰ، شفاعت مصطفیٰ، رحمت خداوندی، شان قرآنِ مجید، نماز کی فضیلت، صبر ایوب، موت کا منظر، جنت کے نظارے، جہنم کا عذاب، ذکر الٰہی، شان حضرت عثمان ذوالنورین، شان علی حیدر، واقعات کربلا، ماں کا مقام، شان فاطمۃ الزہراء، شان مائی مریم وعیسیٰ، شان ام المومنین عائشہ صدیقہ، علم کی فضیلت، واقعہ حضرت یوسف وزلیخا، شان رمضان المبارک، حج بیت اللہ، جہاد کی فضیلت، حضرت اسماعیل کی قربانی، واقعہ حضرت سلیمان اور بلقیس، خاوند کے حقوق، بیوی کے حقوق، حضرت بلال، سیرت حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان، حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اور شان اولیاء اللہ۔

علامہ ابراہیم خادم قصوری صاحب ۱۹۹۷ء سے گورنمنٹ ڈگری کالج حجرہ شاہ مقیم میں بہ طور اسلامیات کے لیکچرر خدمت سر انجام دے رہے تھے۔ ان کے لیکچرز بڑے علمی اور تحقیقی ہوتے اور آپ اپنے تبحر علمی سے طلباء کو پوری طرح مستفید فرماتے۔ اس اعتبار سے بہ حیثیت پروفیسران کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ علامہ ابراہیم خادم قصوری کو تحریر ونگارش سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ ان کے مضامین ومقالات جماعتی اور قومی رسائل واخبارات میں اشاعت پذیر ہوتے تھے۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی ان کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ اب تک انھوں نے جو کتب تالیف کی ہیں ان کی تفصیل اور تعارف یہ ہے:

۱: **مقالات خادم قصوری، حصہ اول:** یہ کتاب ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب پر مشتمل مقالات کا دل آویز مجموعہ ہے اور خطباء کے لیے بڑی مفید شے ہے۔ اس کے صفحات ۱۷۶ طبع مئی ۱۹۹۸ء۔

۲: **مسک المدینہ:** یہ کتاب علامہ صاحب کے ۲۴ خطبات کا دل نشین مجموعہ ہے۔ اس کا ایک ایک حرف محبتِ مصطفیٰ سے معطر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل پر مشتمل ہے۔ صفحات ۳۰۴، سن طباعت: ۲۰۰۲ء۔

۳: **کنز مکہ:** یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں عظمتِ بیت اللہ، سیرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام، مسنون دعائیں۔ یہ کل نو خطبات ہیں۔ اس کے علاوہ چار زبانوں میں ابیات اور مصنف کے حالاتِ زندگی ہیں۔ اس کتاب کے صفحات کی تعداد ۳۳۶ اور سن طباعت ۲۰۰۷ء ہے۔

۴: **عقیدۂ مسلم:** یہ کتاب شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی عربی تصنیف "أصول الدين الإسلامي" کا اردو ترجمہ ہے جو علامہ ابراہیم خادم کے رواں قلم سے ہوا اور یہ بھی مطبوع ہے۔

پروفیسر علامہ ابراہیم خادم قصوری نے وعظ وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کی ہنگامہ خیزیوں کے ساتھ ساتھ وطن عزیز پاکستان کی ملی ودینی اور مسلکی تحریکات میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا۔ جن دنوں تحریک ختم نبوت ۱۹۷۳ء کا آغاز ہوا اس وقت علامہ ابراہیم خادم قصوری مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالسلام محمدی مسجد (بنس روڈ، کراچی) میں زیر تعلیم تھے۔ انھوں نے اس وقت حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے جمعیت اہل حدیث (کراچی) کی نمائندگی میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا اور ۲۱ دن کراچی جیل میں رہے۔ اس طرح انھوں نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ میں اپنا کردار ادا کیا۔

سیاست سے بھی علامہ موصوف کو حد درجہ دلچسپی تھی اور وہ اس میں آبلہ پا ہوئے۔ ایک بار انھوں نے کنگن پور میں صوبائی سیٹ پر الیکشن میں حصہ لیا تھا اور اس کا نتیجہ وہی نکلا جو عام طور پر علمائے کرام کے ساتھ ہوتا ہے۔

منڈی کنگن پور میں انھوں نے "جامعہ ابراہیمیہ" کے نام سے ایک دینی ادارہ بھی قائم رکھا تھا۔ علامہ ابراہیم خادم مرحوم برصغیر پاک وہند کے چار نام وَر خاندانوں؛ لکھوی خاندان، مولانا امام عبدالستار محدث دہلوی کا خاندان، روپڑی خاندان اور پروفیسر علامہ ساجد میر صاحب کے خاندان کے علماء واَکابرین سے دلی محبت اور ارادت مندانہ تعلقات رکھتے تھے۔

نفسا نفسی کے اس دور میں کہ جب ہر شخص دنیا داری کے جھمیلوں میں الجھا دکھائی دیتا ہے، علامہ ابراہیم خادم مرحوم علمائے کرام، اکابرین جماعت اور مسلکی افراد سے برابر رابطہ رکھتے تھے۔

۲۰۰۷ء سے وہ ہیپا ٹائٹس جیسے مہلک مرض میں مبتلا تھے۔ بیماری کی شدت نے ان کو بہت متاثر کیا تھا اور ایک اچھا خاصا صحت مند آدمی ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کے رہ گیا تھا۔ بیماری کی شدت کے باوجود وہ عزم وہمت سے دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کے کاموں میں مصروف عمل رہے اور دور دراز کے علاقوں میں پہنچ کر انھوں نے اپنی مسحور کن خطابت سے جلسوں کی رونق کو دوبالا کیا۔ گلشن رسالت کا یہ بلبل ہزار داستان بیس گھنٹے مسلسل بے ہوش رہنے کے بعد ۱۴/اگست ۲۰۱۲ء کی دوپہر ساڑھے گیارہ بجے لاہور کے ایک ہسپتال میں زندگی کی بازی ہار گیا۔ اس دن ۲۵/رمضان المبارک ۱۴۳۳ ہجری تھی۔ اگلے روز ساڑھے دس بجے ان کی نماز جنازہ کنگن پور میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پنجاب کے امیر حافظ پروفیسر عبدالستار حامد صاحب کی اقتدا میں ادا کی گئی جس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے اور کنگن پور کی تاریخ کا یہ عظیم الشان جنازہ تھا۔ مقامی قبرستان میں علامہ صاحب کی تدفین ہوئی اور انھیں سپرد خاک کیا گیا۔ قبر پر دعا ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالمجید خادم نے کرائی۔

بلاشبہ علامہ خادم قصوری مرحوم جماعت کا عظیم اثاثہ تھے۔ بشر ہونے کے ناطے یقیناً ان میں کوتاہیاں ہوں گی لیکن اگر ان کی دینی خدمات اور مسلکی مساعی کو دیکھا جائے تو وہ لائق اعتنا ہیں۔ ہم عاجز بندے صدق دل سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ علامہ خادم مرحوم کی حسنات کو قبول فرما کر انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

علامہ ابراہیم خادم مرحوم نے اپنے پیچھے بیوہ، بیٹی اور ایک بیٹا مولانا محمد اسحاق خادم اور ہزاروں عقیدت مند سوگوار چھوڑے۔ صاحب زادہ محمد اسحاق خادم دینی ودنیوی تعلیم سے آراستہ ہے۔ ایم اے اردو اور ایم اے اسلامیات ہے۔ انھوں نے اپنے والد علامہ خادم پر ان کی زندگی میں ایک کتاب ''المسک المختوم'' مرتب کی جو شائع شدہ ہے اور آپ جامعہ ابراہیمیہ کے مدیر بھی ہیں۔

